مرآۃِ مسعودی

(نسخۂ جھوجھہ)

تالیف

شیخ عبدالرحمان چشتی علوی

تحقیق وتدوین، ترجمہ

زبیر احمد گلزاری

Collection of Prof. Muhammad Iqbal Mujaddidi
Preserved in Punjab University Library.

پروفیسر محمد اقبال مجددی کا مجموعہ
پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ شدہ

مرآۃِ مسعودی

(نسخۂ جھوجھہ)

شیخ عبدالرحمان چشتی علوی

تحقیق وتدوین، ترجمہ

زبیر احمد گلزاری

129375

مرأۃِ مسعودی (نسخہ جھوجھہ)

شیخ عبدالرحمان چشتی علوی

تحقیق وتدوین، ترجمہ: زبیر احمد گلزاری

۴۶۴ گلی نمبر ۶۳، جی نائن فور، اسلام آباد

فون نمبر: 0300-8549927

بارِ اوّل: جولائی ۲۰۱۱ء

انتساب

والدِ گرامی ابوالحسن گلزاری

و

والدہ محترمہ جنت النساء

نذرِ دوست

سید طارق محمود مدظلہٗ العالی

و اہل خانہ

زوجہ محترمہ، بیٹے عزیر احمد گلزاری، عمیر احمد گلزاری

عثمان علی گلزاری، بیٹی عائشہ گلزاری

فہرست

حسابِ دوستان از سید طارق محمود 9

گلزاری صاحب اور مرأۃِ مسعودی از حسن نواز شاہ 13

مرأۃِ مسعودی و صاحب مرأۃِ مسعودی از زبیر احمد گلزاری 17

دیباچہ از شیخ عبدالرحمٰن چشتی علوی 37

داستانِ اول 45

داستانِ دوم 59

داستانِ سوم 75

داستانِ چہارم 97

داستانِ پنجم 129

کتابیات 147

ضمیمے 149

حسابِ دوستان

فیض تھی راہ سر بسر منزل
ہم جہاں پہنچے کامیاب آئے

تحقیق اور جُست جو انسانی فطرت کا حصہ ہے. معصوم بچہ آغوشِ مادر میں حیران کن صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتا ہے، ہر چیز کو سونگھنا، ہر شے کو چھونے کی کوشش کرنا، آوازوں کی طرف راغب ہونا، ماں کے اشاروں کے سمجھنا اور ماں کو اپنی بات سمجھانا، سب فطرت کی حسین عطائیں ہیں.

انسان کی اپنے بارے میں جُست جو اور خود کو جاننے کی لگن صدیوں سے اسے کرب میں مبتلا کیے ہوئے ہے. سائنس دان اپنی تجربہ گاہ اور صوفی اپنی خانقاہ میں روح و بدن کی گتھیوں کو سلجھانے میں جانے کب سے مصروفِ عمل ہیں. انسانی وجود سے متعلق تحقیق، نت نئی ایجادات اور کائنات کو مسخر کرنے کی جدوجہد بھی اس ذہنی کش مکش کا ردِ عمل ہے.

اپنے آباؤ واجداد کے بارے میں مستند روایات اور معلومات کا محفوظ کرنا، غیر مستند اور غیر فطری روایات کی تنقیح بذاتِ خود ایک سائنسی تحقیقاتی عمل ہے. ان کا رہن سہن، تعلیم تربیت، ذرائع معاش، آبادکاری، آپس میں میل جول، پیدائش، شادی اور وفات سے متعلق رسومات جو زیادہ تر اس خطہ کی تمدنی تاریخ میں شمار ہوتی ہیں ان کی جمع آوری اور وہ جدید سائنسی اصولِ تحقیق کی روشنی جان کو مصیبت میں ڈالنے کے مترادف ہے.

جناب زبیر احمد گلزاری اپنی قوم سے متعلق گذشتہ کئی سالوں سے دادِ تحقیق دے رہے ہیں. سینکڑوں کتب کا مطالعہ، ان سے اپنے کام کے اقتباسات ومعلومات کا انتخاب اور ان کا تحقیقی تجزیہ ایک طویل اور تھکا دینے والا عمل ہے مگر آفرین ہے گلزاری صاحب کو بھی. کاروباری الجھنیں، مصروفیات، دوستوں سے مستقل روابط اور ان کی خبر گیری، گھر والوں کو بھرپور توجہ دینا، اولاد سے دوستانہ انداز میں رہنا، لمبے اسفار، اور ان سب کے ساتھ ساتھ علم اور علم دوستی کو نبھانا، سچ ہے یہ سب بہت مشکل ہے لیکن وہ ہیں کہ کیے جا رہے ہیں. ابھی تین چار سال قبل ایک حدیث پاک کے مطابق جس میں کہا گیا کہ علم حاصل کرو پالنے سے لحد تک، تو ان کے جی میں آیا کہ MBA کیا جائے تو موصوف نے یونی ورسٹی میں داخلہ لے لیا اور یہ معرکہ اٹھاون سال کی عمر میں سر کر کے دکھا دیا. اللھم زد فزد

زبیر احمد گلزاری ایک نابغۂ روزگار شخصیت کا نام ہے، اپنے کاروبار میں اپنی حیرت انگیز صلاحیتوں کی وجہ سے تو معروف تھے ہی لیکن اب تحقیق وتصنیف کی دنیا میں بھی اپنے قدم جما رہے ہیں. اس سلسلہ میں مآخذ کی تلاش، اس تک رسائی اور اس کے حصول کے لیے طویل اسفار، محققین سے روابط اور بہت کچھ یہ سب ان کے ایسے اوصاف ہیں جن پہ داد دیے بغیر چارہ نہیں. اس کے ساتھ ساتھ ان کی اولیاے کرام اور بالخصوص مخدوم علاء الدین علی احمد صابر کلیری سے عقیدت ومحبت، اسی تناظر میں سلسلہ صابریہ کے مشائخ وسجادہ نشیوں سے ان تعلقات کے تنوع کو دیکھتے ہوئے ان کے لیے بے ساختہ دعائیں نکلتی ہیں. کلیر سے آبائی تعلق کی وجہ سے جب کوئی مہمان یا درگاہ کے سجادہ نشین پاکستان تشریف لائیں تو گلزاری صاحب ان کی خدمت میں ہمہ

تن جُت جاتے ہیں. خدا انہیں مزید توفیق عطا فرمائے.

حال میں انہیں شیخ عبدالرحمان چشتی کی تالیف مرآۃِ مسعودی کا ایک اہم قلمی نسخہ ہاتھ آیا اور انہیں اس کے اردو ترجمہ کی سوجھی، بس رات دن اسی میں لگے ہیں اور دوستوں کو لمحہ لمحہ خبر دی جا رہی ہے، اب یہ کرلیا، اب وہ کرلیا، اب اتنا ہو گیا، اب اتنا ہو گیا. خدا خدا کر کے ان کا یہ علمی منصوبہ بھی پایۂ تکمیل کو پہنچا، دعا ہے ان کی یہ کوشش علمی دنیا میں مقبولیت اور دوام حاصل کرے. امین

سید طارق محمود

کراچی

گلزاری صاحب اور مرأۃِ مسعودی

غالب نے وفاداری کو استواری سے مشروط کرتے ہوئے اصلِ ایمان قرار دیا ہے.وفا اور وفاداری کی جڑیں اخلاص کی زرخیز زمین میں خوب قدم جماتی ہیں، میں جہاں زندگی میں بہت سے رشتوں سے محظوظ نہیں ہو پایا وہیں فطرت کی فیاضی کی بدولت کچھ ایسے رشتوں اور ان کے اخلاص ومحبت سے اتنا سیر ہوا کہ الحمدللہ!

باباصاحب (حضرت والدِ گرامی: خواجہ صوفی محمد نواز شاہ صاحب) کا چھوٹا بھائی ولادت کے دو دن بعد ہی زندہ رہ پایا،مگر فطرت نے انہیں دو ایسے دوست عطا کیے کہ یہ تینوں حضرات ہمیشہ یک جان سہ قالب بن کے رہے،ان تینوں مقدس ہستیوں کے اخلاص ووفا کی داستان کے بیان کا یہ محل نہیں.ان تینوں میں سے ایک حضرت خواجہ صوفی ملک امان شاہ صاحب (۱۹۰۴-۱۴ اکتوبر ۱۹۹۱ء) جن کا مزار نواکلی کوئٹہ میں ہے اور دوسرے حضرت صوفی محمد امین شاہ صاحب (پ: ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء) بفضل ایزد حیات ہیں اور منڈی صادق گنج (ضلع بہاول نگر) میں مقیم ہیں.گو یہ دونوں بزرگ باباصاحب کے پیر بھائی اور دوست تھے لیکن ان کا آپسی پیار بھائیوں جیسا ہی رہا بلکہ یقیناً بڑھا ہوا ہے.ہم تینوں بہن بھائی ایک کو تایا جی اور دوسرے کو چاچا جی کہتے اور سمجھتے ہیں اور اس کا کبھی شمہ بھر بھی احساس نہیں ہوا کہ ان بزرگوں کے ساتھ ہمارا کوئی خونی رشتہ نہیں ہے.یہی وجہ ہے کہ چاچا جی کبھی خود تشریف لاتے تو واپسی مجھے ساتھ لے جاتے اور کبھی باباصاحب کو فون پہ کہتے کہ حسن کو بھیجیں سال سے اوپر

ہوا وہ آیا نہیں.

یہ مئی ۲۰۰۳ء کا قصہ ہے، میں چاچا جی سے ملنے منڈی صادق گنج گیا ہوا تھا، ہر بار کی طرح اس سال بھی ۲۵ مئی ۲۰۰۳ء کو منڈی صادق گنج سے پاک پتن شریف حضرت بابا فریدؒالدین مسعود گنج شکر کے مزار پہ فاتحہ کے لیے حاضر ہوا، مزار پہ حاضری کے بعد سیدھا نظامی کتب خانہ پہ پہنچا، جہاں اور کتب خریدیں وہیں شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی تالیف **انوار العیون** بھی لی. واپس منڈی صادق گنج پہنچا اور ہفتہ بھر قیام کے بعد واپس اسلام آباد آ گیا. دوسرے دن میں نے **انوار العیون** کے ناشر یعنی جناب زبیر احمد گلزاری کا نمبر ملایا، دوسری طرف شاید لائن پہ گلزاری صاحب کے پرسنل اسسٹنٹ تھے، میں نے استفسار کیا: جناب! آپ نے **انوار العیون** کے بیک ٹائٹل پہ **گنج اسرار** (منسوب بہ: خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیری) اور **شرح لطایفِ غیبیہ** (از: شاہ عنایت شطاری) کی جلد اشاعت کا اشتہار دیا ہوا ہے، کیا یہ شایع ہو چکیں، اگر نہیں تو ان کی اشاعت کب تک متوقع ہے؟ ان صاحب نے بتایا کہ گلزاری صاحب ابھی آپ کو کال کرتے ہیں وہی تفصیل بتائیں گے. خیر! تھوڑی دیر تک گلزاری صاحب کی کال آ گئی، خاصی دیر بات ہوتی رہی اور جلد ہی ملاقات طے پا گئی، دو دنوں بعد گلزاری صاحب اپنے دوستوں صداقت رضا مرزا صاحب مرحوم اور بابلانی صاحب کے ہمراہ ماڈل ٹاؤن ہمک تشریف لائے، کئی گھنٹے نشست رہی اور مستقبل میں ملاقاتوں کی خواہش کے ساتھ یہ حضرات رخصت ہوئے.

تب سے اب تک وہ تعلق قایم ہے، اس دوران کئی ملاقاتیں ہوئیں، ٹیلی فون پہ لمبی باتیں ہوئیں، ایک دوسرے کو سنا، سمجھا، جانچا اور اس دوران ان کے مزید

دوستوں سے بھی ملاقاتیں رہیں۔ان کی ذاتی زندگی اور خوبیوں کے بیان کا تو یہ موقع نہیں اور شاید مجھے اتنا معلوم اس کے بعد اکثر ہماری ملاقات کا سبب یا عمومی ملاقات میں موضوع گفت گو کتابیں ہی رہیں یا کوئی نہ کوئی علمی مسئلہ۔

گلزاری صاحب کی علمی دل چسپیوں میں ایک تو ان کا اپنے قبیلے یعنی جھوجھہ برادری کی مفصل تاریخ ترتیب دینا اور دوسری دلچسپی تصوف بالخصوص چشتیہ وشطاریہ سلاسل کے متون کی اشاعت اور ان کی فی سبیل للہ تقسیم ہے۔گلزاری صاحب اور میرے مشترکہ دوست سید دلبر علی شاہ وارثی نے ان سے کہا کہ وارثیہ سلسلہ کی کچھ کتب کی اشاعتِ نو کی بہت ضرورت ہے تو انہوں نے جھٹ ان کتب کی اشاعتِ جدید کی حامی بھر لی اور تعارف (از: بیدم شاہ وارثی)، ندائے غیبی (از: محبوب شاہ وارثی) اور حیرت شاہ وارثی کے دونوں مجموعہ ہائے کلام عکس حیرت، نقش حیرت یکے بعد دیگرے شایع کر کے دلبر شاہ صاحب کے حوالے کیے۔ان کے ایک اور دوست نے ایک بار باتوں باتوں میں بہزاد لکھنوی کے نعتیہ مجموعۂ کلام نغمۂ روح کے بارے میں کہا کہ یہ مجموعہ ان کی والدہ محترمہ بہت ذوق وشوق سے پڑھا کرتی تھیں اور اس کی اشاعتِ نو کی خواہش ظاہر کی،گلزاری صاحب نے نغمۂ روح جھٹ سے شایع کرائی اور اب تک باذوق قارئین تک اس کے نسخے پہنچائے جارہے ہیں۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا،گلزاری صاحب کی تحقیق کا بنیادی موضوع اپنے قبیلہ یعنی جھوجھہ برادری ہے،اس سلسلہ میں محققین کی آراء بہت الجھاؤ کا سبب تھیں،لیکن انہوں نے میری ایک نصیحت: ''آپ نے خالی الذہن ہوکر تحقیق کرنی ہے اور اس دوران آپ کے حق میں یا خلاف جتنے بھی بیانات سامنے آئیں گے ان

سے ، بالخصوص اختلافی بیانات سے صرفِ نظر نہیں کرنا بلکہ ایسے تمام حوالہ جات کو مضبوط شواہد اور دلائل سے رد کرنا ہے. اسی طرح خوش فہمی ،عقیدت اور تفاخر کے جذبوں کو یکسر انداز کر کے خالص تحقیقی بنیادوں پر اپنے خاندان کی تاریخ مرتب کرنی ہے، اس سارے عمل میں ہمت باندھے رکھنی ہے کہ تحقیق نہایت ہمت طلب کام ہے.'' کو سختی سے پلے باندھا اور اب تک انہوں نے سینکڑوں کتابوں، مقالات کی عرق ریزی کے بعد اپنے خاندان کی تاریخ مرتب کر لی ہے. اپنے قبیلہ پہ تحقیق کے دوران ہی انہیں شیخ عبدالرحمان چشتی کی تالیف مرأۃِ مسعودی کی ضرورت پڑی اور خوش قسمتی سے انہیں مؤلف کی حیات میں کتابت شدہ ایسا نسخہ خطی ہاتھ آ گیا جس کی کتابت کے بیس سال بعد مؤلف کی وفات ہوئی. اس نسخہ کے حصول کے بعد ان کے ذہن میں اس کے ترجمہ اور دیگر مطبوعہ تراجم سے اس کے تقابل کا خیال آیا، جس کے نتیجہ میں مرأۃِ مسعودی کا ایک مستند مخطوطہ جو بھڑائچ میں ہی کتابت کیا گیا تھا کا ترجمہ آپ کے سامنے ہے. مرأۃِ مسعودی اور صاحبِ مرأۃ مسعودی پہ ایک مبسوط مقدمہ بھی شاملِ کتاب ہے. میری معلومات کے مطابق پاکستان میں گلزاری صاحب کو ہی پہلی بار مرأۃِ مسعودی کے ترجمہ اور اس کی اشاعت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے، خدائے بزرگ و برتر انہیں صحت عطا کرے اور مزید علمی کاموں کی توفیق بخشے کہ

این سعادت بزورِ بازو نیست — تا نہ بخشد خدای بخشندہ

حسن نواز شاہ

ماڈل ٹاؤن ہمک، اسلام آباد

مرأۃِ مسعودی اور صاحب مرأۃِ مسعودی

از زبیر احمد گلزاری

شیخ عبدالرحمان چشتی علوی کئی کتب کے مصنف و مؤلف تھے۔ وہ 9 ربیع الثانی 1005ھ کو شیخ عبدالرسول بن قاسم کے ہاں بانگر ماؤ کے علاقہ میں موضع رسول پور عرف دھنتی پرگنہ لکھنو میں پیدا ہوئے۔(1) آپ کا شجرہ نسب حضرت عباس ابن علیؓ سے ملتا ہے۔ آپ نے مراۃ الاسرار میں اپنا شجرہ نسب دیا ہے جو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

"فقیر عبدالرحمان چشتی بن عبدالرسول بن قاسم بن شاہ بدہ بن مبارک بن میاں دانیال ثانی بن بدرالدین بن معین الدین بن قطب بن فرید بن نظام بن نصیرالدین بن دانیال عرف مولانا عود بن میر بدرالدین بن حسن بن فضل بن عبداللہ بن عباس بن علی کرم اللہ وجہہ۔"(2)

شیخ عبدالرحمان جب چار سال کے ہوئے تو ان کے والد گرامی انہیں شیخ کمال الدین محمد بن بندگی نظام الدین امیٹھی کی خدمت میں لے گئے اور انہوں نے تبرکاً ایک آیت تعلیم فرمائی، چند سال کچھ ادب یعنی اوامر و نہی کی تحصیل کی اور بعد ازاں اپنے والد گرامی کے ہمراہ علم معاش، سپاہ گری اور آدابِ سلاطین سیکھے اور دنیاوی عیش میں زندگی بسر کی۔ انیس سال کی عمر میں عشق مجازی میں مبتلا ہوئے جس کی بدولت آپ کا قلب حقیقت کی طرف

راغب ہو گیا اور آپ کے بقول ان کا دل حظوظ نفس سے پاک ہو گیا۔ اسی کیفیت میں کئی سال گزارے اور آخر کار علایق دنیا کو ترک کرتے ہوئے راہ فقر کو اختیار کیا اور سلسلہ چشتیہ صابریہ میں مخدوم شیخ حمید بن قطب الدین (م: جمادی الاول 1032ھ) سے بیعت ہوئے اور سات سال اور چند ماہ مجاہدات میں صرف کیے اور شیخ حمید نے آپ کو خرقہ خلافت سے سرفراز فرمایا اور آپ سے سلسلہ کو فروغ حاصل ہوا رجب 1032ھ میں آپ نے **اورادِ چشتیہ** جمع کیے۔ (3) آپ نے 1094ھ میں عالم خاک و باد کو خیر آباد کہا۔

آپ کے شیخ طریقت حضرت شیخ حمید نے آپ کو خلافت عطا فرمانے کے بعد فرمایا تھا: ''ہمارے مشایخ کا سلسلہ تجھ سے روشن ہوگا۔'' (4) آپ نے جہاں لوگوں کو راہ ہدایت پہ چلانے کے لیے مساعی کیں وہیں آپ کے قلم سے فیضان کا وہ دریا جاری ہوا کہ جس سے اب تک صاحبان علم وعرفان فیض یاب ہو رہے ہیں۔ آپ سے درج ذیل تصانیف و تالیفات یادگار ہیں:

1- اوراد چشتیہ (رجب 1032ھ)

2- مراۃ الاسرار (1045-1065ھ)

3- مراۃ مسعودی

4- مراۃ مداری (1023ھ)

5- مراۃ المخلوقات (1041ھ)

6- مراۃ الولایت فی اخبار شیخ عبد الجلیل لکھنوی

آپ نے سالار مسعود غازیؒ شہید (ش: 424ھ، بھڑائچ/یو۔پی) کے

احوالِ حیات پہ مراۃِ مسعودی کے نام سے پہلی مربوط سوانح عمری ترتیب دی جو مغل شہنشاہ جہانگیر کے زمانہ (1014-1043ھ) میں یعنی سالار مسعود غازی کی شہادت کے تقریباً چھ سو سال بعد تحریر کی گئی۔ اگرچہ آپ کی تالیفات میں مراۃ الاسرار کو بہت زیادہ مقبولیت ملی مگر قبولیت عامہ کے حوالے سے مراۃ مسعودی کا نمبر دوسرا رہا۔

راقم الحروف گزشتہ کئی سالوں سے اپنے خاندان کی تاریخ مدون کرنے میں مصروف ہے اور اس سلسلہ میں سینکڑوں کتب و مقالات نظر سے گزر چکے ہیں۔ دورانِ تحقیق جب سالار مسعود غازی اور ان کے لشکر میں شامل مجاہدین کے احوال کی ضرورت درپیش ہوئی تو مراۃِ مسعودی کی تلاش شروع کر دی اور جلد ہی اس کا اردو ترجمہ میسر آ گیا۔ بعد ازاں اسی کتاب کا ایک اور ترجمہ آئینہ مسعودی کے نام سے حاصل ہوا۔ بعد ازاں بالترتیب غزانامہ مسعود اور The history of India as told by its own historions جو ایچ ،ایم ایلیٹ اور جان ڈاسن کی مرتبہ ہے اور اس میں مراۃ مسعودی کا انگریزی ترجمہ بھی شامل ہے، دستیاب ہوتی گئیں۔ ان سب کے تقابلی مطالعہ کے بعد انکشاف ہوا کہ نہ صرف ان میں تضادات بلکہ کچھ میں تو واضح تحریف بھی کی گئی جس سے تاریخ کچھ کی کچھ بن گئی۔ تحقیق میں تساہل کی ایک مثال دیکھیے کہ ایک محقق نے یوں موشگافی کی:

> ''سیدنا سالار مسعودؒ کا اذن پا کر حضرت عبدالرحمٰن نے فارسی زبان میں تاریخی واقعات جمع فرما کر اس کا نام مراۃ الاسرار رکھا پھر اس کا ترجمہ ملخص ہو کر

مرأۃِ مسعودی نام پڑا۔'' (5)

کسی حوالہ کو بلا تصدیق نقل کرنے سے کیا کیا تاریخی غلطیاں سرزد ہوتی ہیں اس کی ایک اور مثال دیکھیے، ایک اور فاضل محقق جن کے سامنے مولانا محمد صدیق حسن کا ترجمہ تھا اورانہوں نے مولانا صدیق پر اعتماد کرتے ہوئے یہاں تک لکھ دیا:

''مراۃ الاسرار معروف مرأۃِ مسعودی ۱۰۹۴ھ یہ کتاب امام الاولیاء حضرت علامہ عبدالرحمٰن چشتی کی تصنیف ہے...... یہ کتاب ۱۰۹۴ھ [میں]...... مغل بادشاہ جہانگیر کے عہد میں لکھی گئی...... آپ نے بے شمار لوگوں کی درخواست پر تاریخ محمودی سے غیر فاطمی علوی اعوانون کی فتوحات کو منتخب کر کے کتابی شکل دی اور کتاب کا نام مراۃ الاسرار رکھا...... اس کتاب کا کئی بار اردو میں مختلف شخصیات نے ترجمہ کیا جو مراۃ مسعودی کے نام سے مشہور ہے۔'' (6)

حالانکہ مراۃ الاسرار کے داخلی شواہد کی بنیاد پہ اس کا زمانۂ تالیف 1045 - 1065ھ ہے اورمرأۃِ مسعودی اس سے قبل ترتیب پا چکی تھی جیسا کہ مراۃ الاسرار میں مرقوم ہے، جس کا حوالہ آگے آرہا ہے۔ اسی طرح جہانگیر کا زمانۂ اقتدار 1014-1043ھ ہم پیچھے نقل کر آئے ہیں۔ اسی طرح مصنف نے مراۃ الاسرار میں جہاں حضرت سالار مسعود غازی کے احوال تحریر کیے ہیں وہاں اس موضوع پر اپنی مستقل تالیف کا تذکرہ بھی کیا ہے:

''الغرض تمام احوال از ولادت تا شہادت در کتاب مرأۃِ مسعودی پیش ازین نوشتہ ام ۔ولیکن مجملی ازان کتاب انتخاب کردہ ودرین محل نیز ذکر کردہ می شود۔'' (7)

ترجمہ: ''الغرض آپ کے تمام حالات ازولادت تا شہادت مولف کتاب ہذا کتاب مراۃ مسعودی میں لکھ چکا ہے، اس میں سے اجمالاً کچھ اس جگہ بھی لکھا جاتا ہے۔'' (8)

اسی طرح **مراۃ الاسرار** جس کا اردو ترجمہ بازار میں عام دستیاب ہے کسی بھی قرینے سے اعوان قبیلہ کی تاریخ پر مشتمل نہیں بلکہ یہ صوفیاے عظام کا ایک تفصیلی تذکرہ ہے۔ راقم الحروف کے پاس **مراۃِ مسعودی** (نسخہ جھوجھہ)، **مراۃ مداری** اور **مراۃ الاسرار** کے فارسی متون کی نقول موجود ہیں،

اسی طرح مولانا صدیق کے ترجمہ پہ انحصار کرتے ہوئے اورمؤلف **تاریخ قطب شاہی اعوان** کی ایک اور قیاس آرائی ملاحظہ کیجیے:

''میرے خیال میں حضرت غازی ساہو سالار......، حضرت غازی سالار محمد زنگی......، حضرت غازی رجب سالار...... کے ناموں کے ساتھ لفظ پہلوانِ لشکر صحیح نہیں اصل لفظ اعوان لشکر ہے۔ اگر کوئی محسن ہندوستان کے کسی قدیم کتب خانے سے مراۃ الاسرار فارسی کی کتاب حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے تو اس بات کی تصدیق ہوسکتی ہے۔'' (9)

اب **مراۃِ مسعودی** کے پیشِ نظر مخطوطہ جو مؤلف کی حیات میں نقل ہوا یا وہ اردو اور انگریزی کے تراجم جو اب نظر سے گزرے ہیں ان میں کسی بھی مترجم نے پہلوان کو اعوان سمجھنے کی قیاس آرائی نہیں کی. اسی طرح **مراۃ الاسرار** کے فارسی متن یا اردو ترجمہ میں اعوان کا لفظ حضرت سالار غازی کے احوال میں نہیں ملتا۔

ذیل میں مراۃ مسعودی کے مطبوعہ تراجم اور قلمی نسخہ جات سے متعلق اب تک حاصل شدہ معلومات قارئین کی نذر کی جاتی ہے:

۱- **رسالہ عجب سالار ہٹیلہ مراۃ مسعودی:**

مرأۃِ مسعودی حضرت سالار مسعود غازیؒ کی شہادت کے تقریباً چھ سو سال بعد لکھی گئی اور مؤلف کے بقول زیادہ تر احوال **تاریخ محمودی** سے ماخوذ ہیں، جو اب بہت کمیاب ہے

راقم الحروف کو اپنے قبیلہ جھوجھہ پہ تحقیق کے دوران جب سالار مسعود غازی کے حالاتِ زندگی جاننے کی ضرورت پیش آئی تو اس کا ایک ترجمہ (از مولانا محمد صدیق حسن قادری) ملا، میں خاصا عرصہ اسی کو صحیح سمجھتا رہا۔ پھر آئینہ مسعودی (اردو ترجمہ: خواجہ اکبر علی وارثی میرٹھی) حاصل ہوئی اور پھر غزا نامہ مسعود (اردو ترجمہ: عنایت حسین بلگرامی) نیز The history of India as told by its own historions H.M Elliot and John Dawson کی مرتبہ ہے، اس میں **مرأۃِ مسعودی** کا انگریزی ترجمہ بھی شامل ہے۔ ان سب کا تقابلی مطالعہ کرنے کے بعد اس حقیقت کا انکشاف ہوا کہ ان میں بہت تضاد ہے۔ سب سے پہلے دستیاب ہونے والے نسخے کا نام **رسالہ عجب سالار ہٹیلہ مرأۃِ مسعودی** ہے اور اسی کو نسخہ ہٹیلہ بھی کہا جاتا ہے۔

مولانا محمد صدیق حسن نے **مرأۃِ مسعودی [مع] ضمیمہ تاریخ صالحین بھڑائچ** کے نام سے فروری 1990ء میں اس کا پہلا اڈیشن اور نومبر 1992ء میں

129375

دوسرا اڈیشن شایع کیا اور اس میں رجب سالار اور سالار زنگی کے نام، سالار مسعود غازیؒ اور سالار ساہو کے ناموں کے ساتھ بالترتیب اضافی شامل کر دیے۔ حالانکہ دوسرے نسخوں میں یہ اسماء نہیں ملتے نیز داستان اول رجب سالار کی پیدائش کے متعلق بھی الحاقی ہے جو دوسرے نسخوں میں موجود نہیں۔ اس طرح اس ترجمہ میں چھ داستانیں شامل ہیں جب کہ اصل کتاب صرف پانچ داستانوں پر مشتمل ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ نسخہ ہٹیلہ خاص مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے لکھا گیا جس میں الحاقی مواد بھی شامل کر دیا گیا۔ جس کی وجہ سے محققین نقل در نقل کے فلسفہ پہ عمل پیرا ہو کر غلطی پر غلطی کرتے چلے گئے جس کی دو مثالیں قبل ازیں پیش کر آیا ہوں۔

2- غزانامہ مسعودی

یہ مرأۃِ مسعودی کا پہلا اردو ترجمہ ہے جو ربیع الاول 1284ھ/ اگست 1867ء کو مولوی محمد یعقوب بن مولوی محمد عیسیٰ فرنگی محل مہتمم اخبار کارنامہ کے پریس سے شایع ہوا۔ مولوی عنایت حسین بلگرامی نے ذیقعد 1283ھ/ ربیع الاول 1284ھ (مارچ-اپریل 1867ء-اگست 1867ء) میں ترجمہ مکمل کیا۔ اس کتاب میں لکھا ہے کہ سالار مسعود غازی کی فوج سے پانچ کروڑ مخالف لوگ مارے گئے یہ تعداد اس زمانہ کے لحاظ سے صحیح نہیں لگتی۔ نیز کچھ دوسری باتیں بھی ہیں جو الحاقی اور اضافی لگتی ہیں۔

3- صولتِ مسعودی

یہ مراٰۃِ مسعودی کا دوسرا ترجمہ ہے جو 1890ء میں مطبع علویہ لکھنؤ سے شایع ہوا۔ اس کے مترجم مولوی عبدالغنی شاہ قادری بن شیخ عبدالصمد صدیقی ہیں۔ ترجمہ کرتے ہوئے مترجم نے فسانہ عجایب (رجب علی بیگ) کے اسلوب تحریر کو مدنظر رکھا نیز کئی مقامات پہ غزلیات کے ذریعے تاریخ کی ترجمانی کی ہے۔ اس کتاب کا مطبوعہ نسخہ رضا لائبریری رام پور اور خانقاہ شاہ نعیم اللہ بھڑائچی (بھڑائچ) میں موجود ہے۔

4- آئینہ مسعودی

مراٰۃِ مسعودی کا یہ اردو ترجمہ خواجہ اکبر علی وارثی میرٹھی نے کیا اور اس کا پہلا اڈیشن 1938ء میں میرٹھ سے شائع ہوا۔ اس ترجمہ میں انہوں نے کافی محنت کی اور سالار مسعود غازیؒ کی ہند میں راہ گذر پر جا کر خود مشاہدہ کیا اور پرانی تاریخ کے مطابق موجودہ صورت حال کا جائزہ لینے کے بعد حالات تحریر کئے۔ اور میو قبیلہ کا سالار ساہو اور سالار مسعودؒ کے جہاد کی وجہ سے مسلمان ہونے کا بھی ذکر کیا۔

5- رسالہ

یہ رسالہ مولوی حکیم محمد فاروق بھڑائچی نے 1913ء میں کانپور سے چھپوایا۔ یہ کتاب صرف 24 صفحات پر مشتمل ہے۔

6- تذکرہ غازی بالے میاں

یہ نسخہ خواجہ حسن نظامی نے دلی پرنٹنگ پریس دہلی سے 1927ء میں طبع

کرایا۔ یہ صرف سولہ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کو منشی ایم خلیل انصاری نے مرتب کیا تھا جو مہتمم بندوبست ریاست اجے گڑھ تھے۔

7- حیات مسعودی

اسے عباس خان شیروانی نے 1931ء میں شیروانی پرنٹنگ پریس علی گڑھ سے شایع کیا۔ یہ نہایت عمدہ کتاب ہے اور 161 صفحات پر مشتمل ہے۔ اسے نسخہ شیروانی بھی کہتے ہیں۔

8- تاریخ مسعودی

یہ ڈاکٹر نعیم اللہ خیالی کے ترجمہ پر مشتمل نسخہ ہے جو 1952ء میں غازی پریس بھڑائچ سے شایع ہوا۔ یہ 224 صفحات پر مبنی ہے اور یہ نسخہ خیالی کہلایا۔

9- تذکرہ سید سالار مع ذکر پاک صحابۂ کبار

سولہ صفحات پر مشتمل یہ تذکرہ محمد بشیر الدین چار یاری کا مرتبہ ہے جو مفیدِ عام پریس لکھنؤ سے بفرمایش مرتب محمد بشیر الدین مہتمم انجمن صدیقیہ لکھنؤ شایع ہوا۔اگرچہ اس پہ سال اشاعت مرقوم نہیں البتہ کاغذ کی قدامت اور مندرجات سے گمان ہے کہ قیام پاکستان سے قبل ہی اس کی اشاعت ہوئی ہے۔صفحہ۲-۳، مختصر حالات زندگی حضرت سید سالار مسعود غازی رحمۃ اللہ علیہ کی سرخی کے تحت نثر میں احوال مرقوم ہیں.آگے صفحہ۴-۷ پر۲۷بندوں پر مشتمل خواجہ عبدالرؤف عشرت لکھنوی کی مسدس در بیان وشہادت حضرت سید

سالار مسعود غازی درج ہے۔ بقیہ صفحات پہ مختلف شعراء خلفائے راشدین کی شان میں کہے گیے مناقب پر مشتمل ہے۔اس کتاب کا ایک نسخہ مخدومہ امیر جان لائبریری نڑالی شریف (تحصیل گوجرخان) میں ہے اوراس کا عکس راقم الحروف کے پاس بھی موجود ہے۔

10- سالار مسعود غازیؒ

چونسٹھ صفحات پہ مشتمل یہ سوانحی کتابچہ مرأۃ مسعودی سے ماخوذ ہے اور مکتبہ دین و دنیا لاہور سے شایع ہوا۔ اگرچہ اس پہ مؤلف کا نام مرقوم نہیں مگر میرا کتاب خانہ حضرو میں اس کی ایک کاپی پروفیسر منظور الحق صدیقی نے اپنی یاداشت کے ساتھ ہدیہ کی تھی۔ مؤسس کتب خانہ خواجہ خان محمد اسد نے اپنی ذاتی معلومات کی بناپر یا قیاس سے کام لیتے ہوئے کتب خانہ کی فہرست میں اسے پروفیسر صدیقی کی تالیف قرار دیا ہے۔

مرأۃِ مسعودی کے اب تک خاصے قلمی نسخے بھی دریافت ہو چکے ہیں اور جوں جوں مزید مخطوطات کی فہارس مرتب ہوں گی تو یقیناً کئی اور نسخوں کے بارے بھی معلومات حاصل ہوں گی۔ ذیل میں چند مخطوطات کا تعارف پیش کیا جاتا ہے:

1- نسخہ انوری

یہ کتب خانہ انوریہ تکیہ کاظمیہ کاکوری میں محفوظ ہے اور اس کا سال کتابت 22 رمضان 1161ھ ہے۔ اس میں سالار مسعود غازیؒ کی غزنی سے روانگی کے وقت فوج کی تعداد ایک لاکھ پچاس ہزار لکھی گئی جو یقیناً محال ہے۔ راقم الحروف کے پاس جو فارسی مخطوطہ نسخہ جھوجھہ ہے اس میں یہ تعداد گیارہ ہزار درج ہے۔

2- نسخہ غفاری

یہ نسخہ مولوی عبدالغفار صاحب (بھڑائچ۔محلہ قاضی پورہ) کی ملکیت ہے۔

3- نسخہ خدا بخش

یہ نسخہ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ میں موجود ہے۔

4- نسخہ سردار علی

یہ نسخہ شیخ سردار علی صاحب کی ملکیت ہے جو سالار مسعود غازی کی خانقاہ کے خادم رہے۔

5- نسخہ محمود خان شیرانی

یہ نسخہ معروف محقق حافظ محمود خان شیرانی کی ملکیت رہا ہے۔

6- نسخہ حبیب

یہ نسخہ مولانا آزاد لائبریری مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کی حبیب گنج کلکشن میں مؤلف کی دوسری تالیف مراۃ مداری کے ساتھ ہی مجلد ہے۔

7- نسخہ عبدالسلام

یہ نسخہ بھی مولانا آزاد لائبریری مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ میں نواب عبد السلام خان کی کلکشن میں موجود ہے۔

8- نسخہ احسان

یہ نسخہ مولانا احسان اللہ عباسی ساکن گورکھ پور کی ملکیت ہے

9- نسخہ فرنگی محل

یہ نسخہ مولانا مفتی عنائیت اللہ جو کہ کتاب تذکرہ علمائے فرنگی محل کے مصنف ہیں، کی ملکیت رہا ہے اور دارالعلوم فرنگی محل لکھنؤ میں موجود ہے۔

10- نسخہ حسام

یہ نسخہ مولوی مجیب اللہ ایڈوکیٹ بھڑائچ کے پاس تھا اور تین دسمبر 1903ء کو نقل کیا گیا تھا۔

11- نسخہ جواہر

یہ نسخہ مولانا آزاد لائبریری مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کی جواہر کلکشن میں ہے۔

12- نسخہ آصفیہ

یہ نسخہ آصفیہ لائبریری حیدرآباد دکن میں ہے

13- نسخہ جھوجھہ

راقم الحروف کو مرأۃِ مسعودی کا ایک ایسا عکس حاصل ہوا جو اہمیت کے اعتبار سے مذکورہ بالا نسخوں پر فوقیت کا حامل ہے کیوں کہ یہ مصنف مرأۃِ مسعودی کی حیات میں یعنی 23 جمادی الاول 1074ھ میں کتابت کیا گیا اور محمد اویس بن شیخ لقمان خادم، قصبہ خطیرہ (بھڑائچ) کی ملکیت میں رہا ہے۔ راقم نے اس نسخہ کو بنیادی نسخہ قرار دیتے ہوئے دیگر دستیاب نسخوں کے ساتھ اس کا تقابل کرنے کے بعد حواشی کے ساتھ اس کا اردو ترجمہ بھی اشاعت کے لیے تیار کیا اور اس کو نسخہ

جھوجھہ کے نام سے موسوم کیا تا کہ حوالہ دیتے وقت آسانی ہو۔ اسے نسخہ جھوجھہ قرار دینے کا پس منظر یہ ہے کہ راقم الحروف کا تعلق جھوجھہ قبیلے سے ہے اور اپنے قبیلے پہ تحقیق کے دوران ہی مراۃِ مسعودی کی ضرورت پڑی اور بالآخر اس کے قدیم نسخہ کے اولین ترجمہ کا سبب بنی۔

جھوجھہ، جھجھ، جج، جھونج اور جاجی یہ سب ایک ہی قبیلہ کے مختلف علاقائی نام ہیں۔ جو افغانستان میں جاجی، جنوبی پنجاب (پاکستان) میں جھونج، سندھ میں جج، سرگودھا، جھنگ، دیپال پور اور اوکاڑہ میں جھجھ اور اتر پردیش (انڈیا) میں جھوجھہ کہلاتے ہیں۔ یہ قبیلہ وہ ہے جو عرب سے افغانستان میں آ کر آباد ہوا اور پھر سالار مسعود غازی کے لشکر کے ہمراہ جہاد کے لیے ہندوستان آیا۔ دیپالپور (ضلع اوکاڑہ) میں بارہ جھجھ شہیدوں اور شیخ عبدالحلیم چشتی مسعودی کے مزارات اس قبیلہ کی قدامت اور سالار مسعودؒ کے اجودھن میں قیام کی تاریخی حیثیت پہ روشنی ڈالتا ہے۔ یہ جھجھ شہداء، سالار مسعود کے ہی ساتھی تھے۔ راقم الحروف ان شہداء اور شیخ حلیم چشتی مسعودی (مدنی انصاری) کے احوال پر ایک مختص کتابچہ 2010ء میں ترتیب دے کے شایع کر چکا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ سالار مسعودؒ غازی کی نسبت سے پاکستان میں اسوقت یہی بارہ جھجھ شہید اور مزار شیخ عبدالحیم چشتی مسعودی، ہی انکی نشانیاں ہیں جو باقی ہیں۔ اعوان بھائی بھی متوجہ ہوں

مستقبل کے منصوبوں میں جھوجھہ قبیلہ کی تفصیلی تاریخ جس پر کئی دہائیوں سے کام جاری ہے کو کتابی شکل میں کرنے کا قوی ارادہ ہے۔

شیخ عبدالرحمان چشتی نے جس زمانے میں یہ کتاب تالیف کی اس زمانے

میں آج کی طرح مواد کی دست یابی کی آسان ترین سہولیات مفقود تھیں، اس کے باوجود انہوں نے جوشِ عقیدت میں یہ کارنامہ سرانجام دیا کہ آج سالار مسعود غازی اور ان کے لشکر سے متعلق اسے بنیادی حوالہ سمجھا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس کتاب پر تنقید بھی ہوئی جیسا کہ انگریز نے کوشش کی ہے۔ میری مراد ہے The history of India as told by its own Historions ہے، اسے ایچ ایم ایلیٹ اور پروفیسر جان ڈاسن نے ترتیب دیا۔ اس مجموعہ میں مراۃِ مسعودی کا انگریزی ترجمہ بھی شامل ہے۔ مرتبین مراۃِ مسعودی کے بارے رقم طراز ہیں:

"The book may be called a historical romance.In it facts and fiction are truly mingled."(10)

میں یہاں اسی کتاب کے ایک حاشیہ پر قارئین اور خاص کر محققین کی توجہ دلانا چاہتا ہوں جو اجودھن کے بارے میں ہے:

"Ajudha or Ayodyha is the old form of the name oudh. The scene of Masud's later exploits is laid in the neighbourhood of oudh."(11)

اجودھن جو اب پاک پتن کہلاتا ہے اور پاکستان کے صوبہ پنجاب کا ایک ضلع ہونے ساتھ ساتھ اس کی عالم گیر شہرت کا سبب معروف چشتی بزرگ بابا فرید گنج شکر کی خانقاہ بھی ہے۔ باباصاحب کے یہاں قیام کی بدولت اسے پاک پتن کہا جانے لگا اور اب اسی نام سے یہ شہر عالمی شہرت یافتہ ہے۔ سالار مسعودؒ غازی جب یہاں

سے گذرے تو اس زمانے میں اس کا نام اجودہن ہی تھا۔ آپ کے یہاں سے گذرنے کا ایک ثبوت خواجہ عبدالحلیم چشتی مسعودی کا مزار ہے جو موضع پھلروان وزیر کے ملحقہ جھجھ کلاں (تحصیل دیپال پور/ضلع اوکاڑہ) واقع ہے نیز موضع بھائی کے لال چند نزد جھجھ کلاں (تحصیل دیپال پور/ضلع اوکاڑہ) میں واقع بارہ شہیدوں کی یادگار ہے جن کا تعلق جھجھ قبیلہ سے تھا اور یہ سالار مسعود غازی کے لشکر میں شامل مجاہد تھے جو یہاں شہید ہوئے، جب سالار مسعودؒ کا لشکر اس علاقہ سے گزرا۔ اجودہن (موجودہ پاک پتن شہر) دیپالپور شہر سے صرف 46 کلومیٹر دور ہے۔ اس طرح شیخ عبدالرحمٰن چشتی نے انگریزوں کی حکومت سے بہت پہلے مرآۃِ مسعودی میں صحیح نام لکھا تھا لیکن فرنگی محققین نے نہ صرف مرآۃِ مسعودی کو تاریخی رومان کہہ کر نجانے کن مقاصد کی تکمیل چاہی، نیز فرنگی مترجم کی بے احتیاطی اور ناتجربہ کاری نے اجودہن کو اجودھیا بنادیا، شاید ایسی ہی کسی کیفیت میں مولانا حسرت موہانی نے کہا تھا:

خرد کا نام جنوں پڑ گیا، جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

(12)

نسخہ جھوجھہ میں سالار ساہو کے افغانستان سے براستہ ٹھٹھ اجمیر شریف جانے پر فوج کی تعداد سات ہزار درج ہے اور سالار مسعودؒ کی غزنی سے روانگی کے وقت فوج کی تعداد گیارہ ہزار درج ہے جس کو انگریز نے بالترتیب سات لاکھ اور گیارہ لاکھ لکھا ہے اور شیخ عبدالرحمٰنؒ کی تحریر کو افسانوی قرار دیتے ہوئے غلط رنگ دینے کی کوشش کی گئی۔ کیا آپ نے یہ نہ سوچا کہ اس وقت گیارہ لاکھ

فوج غزنی سے بھڑائچ تک جا سکتی تھی؟

نسخہ جھوجھہ کی داستان سوم میں ملتان کے نواح میں ایک مقام ستپور کا ذکر آیا ہے، میجر ہنری جارج راورٹی نے بھی نوٹس آن افغانستان اینڈ بلوچستان میں Sit-pur لکھا ہے۔ (13) اور اس کا وقوع ڈیرہ غازی خان سے اوچہ شریف کے قدیم روٹ پر لکھا ہے۔ اسی کتاب کے حاشیہ میں لکھا ہے:

Sit-pur was one of the seventeen mahalls constituting the district known as the Do-Abah Berun-i-Panjnad,just refered to.Abu -l-Fazl,in his A'in-i-Akbari,mentions...... Berun-i-Panjnad district of the Multan sarkar of the Multan Suba." **(14)**

ایلیٹ نے اسے اپنی کتاب میں Sahur لکھا اور فوٹ نوٹ میں قیاساً Shore? لکھ کر ساتھ سوالیہ نشان بھی ڈال دیا ہے۔ (15) شاید انگریز نے نسخہ انوری یا نسخہ حسام سے ترجمہ کیا ہو جہاں ستپور پر نقطے نہیں ہیں اور اس نے اس کو ستپور کی بجائے ساہور پڑھا ہو۔ یہ تمام کچھ لکھنے کا مقصد صرف یہ جتلانا ہے کہ انگریزوں نے کم معلومات اور تساہل کی وجہ سے کیا کیا موشگافیاں گل کھلائے کہ مجنوں نظر آتی ہے لیلیٰ نظر آتا ہے والا معاملہ بن گیا۔

یہ تو تھیں اغیار کی باتیں اب آپ نسخہ ہٹیلہ پر آجائیں تو دیکھیں کہ خدام اور مجاوروں نے جو کہ رجب سالار کے دربار سے وابستہ ہیں، نذرانوں کی لالچ میں رجب سالار کو ترجمہ میں ہر جگہ سالار مسعودؒ غازی کے نام کے ساتھ لکھ دیا اور سالار زنگی کا نام سالار ساہو کے نام کے ساتھ نیز ایک داستان اول رجب سالار کی پیدائش

کے متعلق الحاق کر دی گئی یہ سب کچھ کسی بھی دوسرے نسخے یا ترجمہ میں نہیں ہے۔

ایسی صورت میں اس امر کی شدید ضرورت تھی کہ مرأۃِ مسعودی کا قدیم ترین فارسی مخطوطہ تلاش کیا جائے اور دیگر نسخوں سے اس کا تقابل کرتے ہوئے اس صورت مرتب کیا جائے کہ تاریخ کے آئینے پہ پڑی ہوئی دھول ہٹائی جائے تاکہ تمام کردار نہایت واضح نظر آئیں۔ ویسے بھی رکارڈ کی درستی نہایت اہم ہوتی ہے کیوں کہ بزرگ کہہ گیے ہیں:

خشتِ اول چون نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

پاکستان میں مرأۃِ مسعودی کتابی شکل میں بازار میں دستیاب نہیں اور خوش قسمتی سے مجھے ایک ایسا نسخہ ہاتھ آگیا جو مؤلف کی وفات سے بیس سال قبل یعنی ان کی حیات میں نقل ہوا، جس دن یہ نسخہ ہاتھ آیا اسی دن اس کی اہمیت کے پیش نظر اس کا ترجمہ کرنے اور شایع کر کے قارئین تک پہنچانے کی سوجھی۔

معمولاتِ حیات نیز کاروباری مصروفیات کے باوجود میں نے اس پہ خاصی محنت کی اس کے باوجود بقول حافظ شیرازی عرض گزار ہوں:

گناہ اگرچہ نبود اختیارِ ما حافظ!
تو در طریق ادب کوش گو گناہِ من ست

میں نے اپنے طور تو بھر پور سعی کی پر اس کے باوجود خطا کا امکان

بہر حال موجود رہتا ہے سو صاحبانِ علم کی راست تنقید کا کھلے دل سے پیشگی خیر مقدم کرتا ہوں۔

آخر میں ان تمام دوستوں کا ممنون نہ ہونا احسان فراموشی ہوگی کہ جن کی شفقتوں اور محبتوں کی بدولت یہ خواب شرمندۂ تعبیر ہوا۔ بالخصوص قبلہ شمیم صابر صابری صاحب (سجادہ نشین: خانقاہ چشتیہ صابریہ کلس شریف) کی دعائیں اور حوصلہ افزائی میری رہنما رہیں۔ محترم حسن نواز شاہ سہروردی صاحب (نڑالی شریف/تحصیل گوجرخان) نے لحہ بہ لحہ میری بہترین رہنمائی فرمائی اور ان کی رہنمائی کے بغیر یہ منصوبہ کبھی بھی پایہ تکمیل تک نہ پہنچ پاتا نیز انہوں نے کتاب پر اپنی تقریظ سے نوازا۔ برادر ذی قدر سید طارق محمود صاحب (کراچی) کی محبتوں نے مجھے ہمیشہ تازہ دم رکھا۔ محترم المقام جناب سید عبدالرشید قادری (لاہور) نے مسودہ کو دقتِ نظر سے ملاحظہ فرمایا اور جابجا مفید مشوروں سے نوازا نیز حتیٰ الامکان ترجمہ کی تصحیح میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ رکھا۔ عزیزم فیروز، جہاں کمپنی کے معاملات میں معاونت کرتے ہیں وہیں میرے علمی و تحقیقی امور میں بھی بہت دلچسپی لیتے ہیں۔ کتابِ ہٰذا کے ترجمہ، کمپوزنگ، پروف ریڈنگ نیز اشاعت تک تمام امور کو بہت توجہ اور محنت سے میرا ہاتھ بٹایا، میں ان کا اور کمپنی کے دیگر ارکان نیز اپنے اہل خانہ کا بھی بہت ممنون ہوں۔ خدا سب کو صحت و تندرستی سے نوازے نیز اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ میں اپنے بہت ہی محسن، مشفق اور جھجھ برادری کے ماتھے کا جھومر، میرے بہت پیارے اور مخلص بھائی جناب ملک محمد دین جھجھ (بکا جھجھ/تحصیل دیپال پور) کا بھی بہت ممنون ہوں، ان کی

وسیع القلبی، علم دوستی، مہمان نوازی اور وسعت نگاہ میرے لیے خدا کا بہت بڑا انعام ہے جس کے لیے میں ان کا بہت ممنون ہوں۔ خدا انہیں مزید عزت و صحت سے نوازے۔ امین

میری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ترجمہ عام قاری تک پہنچنے پر وہ اس جذبہ کو بھی مدنظر رکھے جو جذبہ سالار مسعودؒ غازی اور ان کے ساتھ شریک مجاہدینِ اسلام نیز جھوجھہ قبیلہ جو ریگ زار عرب سے افغانستان میں آ کر آباد ہوا (اب بھی یہ قبیلہ افغانستان میں حاجی میدان اور حاجی علی خیل کے علاقہ میں آباد ہے) اور پھر سالار مسعودؒ غازی کے ہمراہ جہاد ہند میں شریک رہا اور آج بھی بھائی کے لال چند نزد جھجھ کلاں میں بارہ شہداء کی یادگار اسی جذبۂ ایمانی کی یاد دلاتی ہے۔ خدا تعالیٰ اس جذبہ کو قائم رکھے اور ہمیں دین اسلام اور انسانیت کی فلاح و بہبود کی خاطر قربانی دینے پہ مائل رکھے۔ میں آخر میں دعا کرتا ہوں کہ قاری اس کتاب کو پڑھتے ہوئے سالار مسعود غازی کے جذبہ شہادت اور شیخ عبدالرحمٰن چشتی علوی کی سالار مسعود غازی سے جذبہ عقیدت کو مدنظر رکھتے ہوئے صرف الفاظ کے پڑھنے سے ہی نہیں بلکہ اس جذبہ کو اپنے دل میں محسوس کرے۔

زبیر احمد گلزاری/اسلام آباد

0300-8549927

حوالہ جات

1- چشتی، شیخ عبدالرحمان، مراۃ الاسرار، خطی، ص379

ایضاً، اردو ترجمہ، مولانا واحد بخش سیال چشتی صابری، ص1012

نوٹ: اردو ترجمہ میں شاہ بدہ اور میاں دانیال ثانی کے درمیان میاں شیخ کا نام بھی مرقوم ہے جو فارسی نسخہ میں نہیں.

2- ایضاً، فارسی قلمی، ص377؛ اردو ترجمہ، ص1010

3- ایضاً، فارسی، ص379؛ اردو ترجمہ، ص-1013-1012

4- ایضاً، اردو، ص1167

5- چشتی، مرأۃِ مسعودی، [مع] ضمیمہ، تاریخ صالحین بھڑائچ، اردو ترجمہ، مولانا محمد صدیق حسن قادری بہرائچی، ص10

6- سیالوی، حافظ محمد ریاض، تاریخ قطب شاہی اعوان، ص22-23

7- چشتی، فارسی، ص143

8- ایضاً، اردو ترجمہ، ص441

9- سیالوی، ص255

10- Elliot, Sir, H.M, proffessor john Dowson, **The History of India as told by its own historion**, vol:2, p. 514

11- Ibid, p.530

12- حسرت، موہانی، کلیات حسرت موہانی، ص155

13- Raverty, Major Henry George, **Notes on Afghanistan and Baluchistan** : vol:2, p593

14- Ibid

15- Elliot,Sir,H.M,-proffessor john Dowson,p530

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

(تمام) تعریف اس جہانوں کے پالنے والے کے لئے ہے جو ظاہر و باطن کی ہر چیز کو جانتا ہے اور وہ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اپنی کمال مہربانی سے خدا ایسا خوش ہوا کہ اپنی توحید کے جوہر کو حقیقت محمدی (ﷺ) میں ظاہر (متجلّی) فرمایا۔ وہی حقیقت محمدیؐ (اللہ کے) تمام اسما (ناموں) اور صفات کی جامع تھی اور اس سے حدیث پوری طرح آشکار ہو رہی تھی۔ اسی قربِ الٰہی میں اس (ذات) مطلق سے یہ فرمان موصول ہوا۔

وما ارسلناك الا رحمة للعالمين

(اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر)

درود و سلام ہو (آپؐ پر) آپؐ کی آل اولاد اور اصحاب پر۔ سبحان اللہ! وہ ذاتِ پاک احمد (ﷺ) کہ تمام جہانوں پر رحمت ہے بلکہ انہی کا وجود تمام عالم (جہان) اور آدم کے پیدا کرنے کا باعث ہے۔ جیسا کہ (اللہ نے) آپ ﷺ کی زبان سے فرمایا (حدیثِ قدسی)

لو لاك لما خلقت الا فلاك

ترجمہ: کہ (اے میرے محبوب) اگر میں تجھے نہ پیدا کرتا تو آسمانوں کو بھی نہ پیدا کرتا

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

ان اللّٰہ کرم الشھدا بخمس کراماۃ لم یکرم بھا احدا ولا انا

یعنی اللہ نے شہیدوں کو پانچ ایسی کرامات سے فضیلت عطا فرمائی کی کسی اور کو نہ دی اور نہ مجھے۔

پہلی یہ کہ تمام انبیاء کی ارواح (موت کے وقت) ملک الموت (حضرت عزرائیل) قبض کرتے ہیں۔ جبکہ شہدا کی روح اللہ تعالیٰ خود قبض کرتے ہیں۔ دوسری یہ کہ حقیقت میں انبیا کو موت کے بعد غسل دیا جاتا ہے۔ جبکہ شہدا کو (ان کی شہادت کے بعد غسل نہیں دیا جاتا)۔ تیسری یہ کہ انبیاء کو کفن دیا جاتا ہے اور مجھے بھی دیا جائے گا مگر شہدا کو نہیں کفنایا جاتا۔ چوتھے یہ کہ انبیاء کو مرنے کے بعد مردہ کہا جاتا ہے۔ اور مجھے بھی کہا جائیگا کہ (حضرت محمد ﷺ نے رحلت فرمائی) جبکہ شہدا کو مردہ نہیں کہا جاتا بلکہ زندہ کہا جانا چاہیے۔ اور پانچویں یہ کہ انبیاء علیہم اسلام قیامت میں شفاعت کریں گے اور میں بھی ایسا کرونگا۔ مگر شہدا ہر دن شفاعت کرتے ہیں۔ اور محشر میں بھی کریں گے۔ (1) اس سے یہ بات جان لینا چاہیے کہ اللہ جل شانہٗ کی راہ میں سر تسلیم کرنا ایک عظیم الشان دولت ہے۔ جیسا کہ کلامِ قُدسی میں خبر دی گئی ہے۔

---

(1) یہ احادیث سیر الحقائق میں لکھی ہیں۔ ان احادیث پر میری کوئی تحقیق نہ ہے نیز دیباچہ بہت بوسیدہ ہے لہذا دوسرے ترجموں کی مدد لی گئی ہے۔

من قتل نفسه فانا دية

(وہ جو اپنے نفس کو قتل کرتا ہے اس کا اجر میں دیتا ہوں)

بس انبیاء صلوات اللہ علیہ کیوں حسرت نہ فرمائیں کہ اللہ کے نزدیک کوئی مرتبہ، (رسولوں کے بعد) مرتبہ شہادت سے بلند نہیں اس وجہ سے یہ نعمت خاص طور پر اہل بیت رسول ﷺ کو نصیب ہوئی۔ آپ ﷺ کے چچا حمزہؓ جو جہاد کرنے والوں کے سردار تھے۔ بموجب حکم **وما رمیت اذر میت و لکن اللہ رمی** شربت شہادت پیا اور اس غیر فانی مقام پر فائز ہوئے۔ اس کے بعد اسد اللہ غالب علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہ' جو شریعت اور طریقت کے رہنما اور حقیقت والوں کے سردار تھے نے شراب شہادت سقٰہم ربہم شرابا طہورا سے نوش فرما کر دوست کے ساتھ یک رنگ ہو گئے۔ اور اس زمانے تک دو رنگی کے عالم کو یکرنگی کا فیض عطا کرتے ہیں اور قیامت تک کرتے رہیں گے۔ اور اسد اللہ غالب کی آنکھوں کا نورِ حسنؓ اور حسینؓ مرتضٰے سورج کی طرح روشن ہیں کہ اپنی پیاری جان بحکم، **لن تنا لو البر حتٰی تنفقو مما تحبون**، اللہ کی راہ میں قربان کیں اور تمام ائمہ معصومین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے آباؤ اجداد کے طریقے پر حق کے راستے میں جانیں دیں۔ اللہ تعالےٰ نے اسد اللہ غالب کرم اللہ وجہ' کو اٹھارہ بیٹے (1) عطاء فرمائے ان میں سے ہر کوئی راہِ حق میں پروانہ وار جان نثار کرنے کا خواہشمند تھا۔

---

(2) نسخہ جھوجھہ میں اٹھارہ ہیں۔ ایک انگریزی نسخہ میں پندرہ ہیں جبکہ نسخہ انوری، نسخہ غفاری، نسخہ حبیب اور نسخہ حسام میں اٹھارہ ہیں۔

خاص طور پر محمد حنفیہؒ اور عباسؓ بن علی کرم للہ وجہہ کو امام حسینؑ سے بے انتہا محبت تھی۔ یہاں تک کہ کربلا میں جب تک عباسؓ بن علی زندہ تھے، منافقوں میں سے کسی کو جرات نہ تھی۔ کہ امام حسینؑ کی طرف میلی آنکھ سے بھی دیکھتے انہوں نے کثیر تعداد میں منافقوں کو ہلاک کر دیا اور خود بھی شربت شہادت نوش فرمایا۔ اس وقت امام حسینؑ نے فرمایا کہ میری کمر ٹوٹ گئی۔ روضہ الشہدا میں تفصیل سے بیان ہوا ہے کہ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد، مختار نے محمد بن حنفیہؒ کی نیابت میں جو خلوص اور جانثاری دکھائی اور روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

میں کہاں تک یہ تفصیلات بیان کروں۔ اس شجاعت کا پھل اللہ تعالیٰ جل شانہ نے سالار مسعود غازی جیسے آفتاب جہاں تاب کی شکل میں عطا فرمایا کہ جن کی ولایت سے تمام دنیا اور عالم انسانیت منور ہو گئے۔

امام المشارق والمغارب علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ نے خود محمد بن حنفیہؒ کی تعلیم و تربیت فرمائی اور علوم ظاہری و باطنی سے آراستہ فرمایا۔ اس کے علاوہ اپنا خرقہ، اشتر (اونٹ) دلدل، (گھوڑا) اور ذوالفقار (تلوار) بھی عنایت کی۔

محمد بن حنفیہؒ کے فضائل اور کرامات، تاریخ کی کتابوں میں متواتر بیان ہوئی ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ امیر المومنین امام حسینؑ نے بھی ان کو خرقہ خلافت عطا فرمایا تھا۔ مختصر یہ ہے کہ محمد بن حنفیہ کے دو فرزند تھے بڑے کا نام عبدالمنان اور چھوٹے کا نام عبدالفتاح جن کی اولاد میں پیر ترکستان خواجہ احمد علوی لیسوی ہوئے۔ سالار مسعود غازی آفتاب ہندوستان عبدالمنان کی اولاد سے تھے۔ ان کا شجرہ مبارکہ یوں ہے۔ سالار مسعود غازی بن سالار ساہو غازی بن شاہ

عطاء اللہ غازی بن شاہ طاہر غازی بن شاہ طیب غازی بن شاہ محمد غازی بن شاہ عمر غازی بن شاہ ملک آصف غازی بن شاہ بطل غازی بن شاہ عبدالمنان غازی بن شاہ محمد حنفیہ غازی بن سد اللہ غالب (ابن ابی طالب) کرم اللہ وجہ'۔

سالار مسعود کو خرقہ ارادت و خلافت اپنے والد سے اجداد کا ملا تھا۔ اور سالار مسعود کی والدہ کا نام ستر معلیٰ تھا جو سلطان محمود سبکتگین کی بہن تھیں۔

کتاب روضۃ الشہدا میں لکھا ہے کہ سبکتگین ساداتِ حسینی سے تھے۔ کیونکہ وہ الپتگین (مختصراً ابن سبکتگین) لڑکپن میں حالات کی سختی کے ہاتھوں مغلوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے۔ اور چونکہ الپتگین، سامانی سلاطین کا موالی تھا۔ اس نے اسے چھڑا لیا۔ اس وجہ سے کچھ مورخین نے اس کے نسب کے بارے میں کچھ نامناسب چیزیں لکھی ہیں لیکن تواریخ جہاں آرا کے مصنف نے لکھا ہے کہ سبکتگین، یزجد کی اولاد سے تھا اس تعلق سے یزدجرد شہر یار بن ہرمز بن نوشیروان کسریٰ تک لے جاتا ہے۔ تاریخ محمودی اس کو امام حسینؓ کے اولاد سے بتاتا ہے۔ روضۃ الشہدا کا مصنف کتاب کے آخر میں جہاں اس نے امام المشارق والمغارب کی اولاد کا ذکر کیا۔ اس کو امام حُسینؓ کی اولاد قرار دیتا ہے دونوں روایتیں قابل قبول ہیں۔

سبحان اللہ، اس قسم کی بلند ہمتی، شجاعت اور جان اللہ کی راہ میں نثار کرنے کی خواہش جو حق تعالیٰ نے سالار مسعودؒ غازی کو عطا کی تھیں وہ اسد اللہ غالب کے خاندان کے علاوہ کہیں نہیں ملتیں۔ اور یہ بے حجاب عنایات اللہ تعالیٰ نے سالار مسعودؒ غازی کو ایسی عطا فرمائیں کہ اب تک انکی کرامات کے پھل انکی ولائت کا

حصہ ہیں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا

ولا تقولو لمن یقتل فی سبیل اللّٰہ امواتِ بل احیاء ولکن لاتشعرون

(جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ان کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن (تم) شعور نہیں رکھتے) جو شہداء کے بارے میں ہی ہے

اس کے بعد عرض یہ ہے کہ حقیر الفقیر عبدالرحمٰن چشتی اس محبوب رب العالمین کے ادنیٰ معتقدوں میں سے ہے، جو دنیا اور دین میں فیض دینے والے ہیں اور اہلِ یقین لوگوں کے سردار ہیں۔ معبود کے چنے ہوئے یعنی سلطان الشہدا سالار مسعود قدس سرہ۔ اس نامراد کو شروع سے ہی اسلطان الشہدا کے متبرک و پاکیزہ آستانہ عالیہ سے محبت اور عقیدت تھی۔ لوگ مجھے ان کی پیدائش، اس ملک ہندوستان میں آمد اور ان کی شہادت کے بارے میں مختلف انداز میں بتاتے تھے اور میں حقیقتِ حال جاننا چاہتا تھا۔ بالآخر کافی جُست جو کے بعد مجھے ملا محمد کی کتاب تواریخِ کہنہ دستیاب ہوئی۔ یہ (ملا محمد) سلطان محمود سبتگینؒ کا ملازم تھا اور آخری عمر سالار رہا ہو اور سالار مسعود کے ساتھ گزاری اور سلطان الشہدا کی شہادت کے بعد اللہ کی رحمت سے پیوست ہوگیا۔ مذکورہ تاریخ کو اول سے آخر تک مطالعہ کرنے کے بعد خوش ہوا اور جو شکوک وشبہات میرے دل میں تھے وہ رفع ہو گئے۔ چونکہ کتاب طویل تھی اور سلطان محمود کی جنگوں کا احوال مذکورہ تھا اور ضمناً سالار مسعودؒ سے متعلقہ اور ان کی شہادت کے واقعات

درج تھے۔ اس وجہ سے سلطان الشہدا کے آستانہ سے منسلک اوران کے محبت کرنے والوں کا خیال تھا کہ انہیں سلطان محمود غزنوی کے قصوں سے کوئی مطلب نہیں ہے، انتخاب کر کے سلطان الشہدا کے واقعات کو علیحدہ لکھا جائے۔ بندہ کا مقصد بھی یہی تھا۔ مگر باطنی اشارہ کے خاص فیض کے بغیر میں یہ نہیں لکھ سکتا تھا، استخارہ کیا اور حضرت سلطان الشہدا کی طرف متوجہ ہوا۔ رات کے آخری تیسرے پہر خواب میں ان کی زیارت ہوئی اپنی زبان وحدت نثار سے (کتاب لکھنے کی) اجازت مرحمت فرمائی۔ بندہ نے ہمت کر کے عرض کیا کہ آپ کے حکم سے کتاب تو لکھنا شروع کر دیتا ہوں۔ مگر جہاں بات میں بلندی پستی یا کمی زیادتی ہو وہاں مجھے اشارہ ہو جائے تا کہ حالات و واقعات کی مطابقت رہے۔ انہوں نے بندہ نوازی کرتے ہوئے فرمایا کہ تم لکھو میں خبر رکھوں گا۔ اور تجھے آگاہ کر دیا کروں گا۔ بس سلطان الشہدا کے اسی باطنی حکم پر واقعات کے بیان کو ظاہری لباس پہنا تا رہا ہوں اور اسی روح افزا کتاب کا نام ''مرأۃِ مسعودی'' رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے پڑھنے والے کو بھی مسعود (سعادت مند) بنائے اور یہ دعا ہے۔

بحق کاشفِ اسرارِ مرداں۔ الٰہی عاقبت محمود گرداں

(مردانِ حق کے بھیدوں کو کھولنے والے کے صدقے میں اے اللہ ہمارا انجام (عاقبت) اچھا ہو

اس طرح سلطان الشہدا کے حالات و واقعات کو اس کتاب سے انتخاب کر کے اور سلطان الشہدا کے بعض حالات وخوارق دوسری معتبر کتابوں سے لے کر یا

اہل باطن لوگوں سے خود سن کر اور چیدہ چیدہ واقعات ظاہری تحقیق کے بعد، اس کتاب میں درج کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ بھول چوک سے محفوظ رکھے۔ اللہ ہی حقیقت بہتر جاننے والا ہے۔

داستان اول: سالار پہلوان لشکر کا سلطان محمود غزنوی کے حکم سے مظفر خان کی امداد کے لئے ہندوستان آنا اور سلطان الشہدا کی اجمیر میں ولادت۔

داستان دوئم: سالار ساہو اور سلطان الشہدا کی غزنی کو واپسی اور سومنات کے بت کی وجہ سے خواجہ احمد حسن میمندی کی سلطان الشہدا سے دشمنی اور عناد۔

داستان سوئم: سلطان الشہدا، سلطان محمود سے رخصت ہو کر ہندوستان کی طرف آنا، ملتان پہنچنا، دہلی فتح کرنا، دریائے گنگا پار کر کے ستر کھ میں قیام اور اطراف میں فوجوں کا تعین کرنا۔

داستان چہارم: سالار ساہو کا ستر کھ پہنچنا۔ سلطان الشہدا کا بھڑائچ کی طرف کوچ کرنا۔ سالار ساہو کی ستر کھ میں رحلت، سلطان الشہدا کی کافروں سے جنگیں اور سلطان الشہدا کی بھڑائچ میں شہادت۔

داستان پنجم: سلطان الشہدا کی رحلت کے بعد کرامات کا ظہور اور روضہ مبارک کی تعمیر اور اس محبوب رب العالمین کے بعض حالات اور خوارق۔

داستانِ اوّل:

سالار ساہو پہلوان(1) کا سلطان محمود کے حکم پر مظفر خان کی مدد کے لئے ہندوستان پر لشکر کشائی اور اجمیر شریف(2) میں سلطان الشہداء (سالار مسعودؒ غازی) کی ولادت

جب سلطان محمود غازی انار اللہ برہانہٗ(3) ملک روم، ایران کے تمام ممالک اور توران وغیرہ کی فتح اور وہاں شریعت محمدیؐ کا نفاذ کرنے کے بعد جاہدوا فی سبیل اللہ کا منتظر تختِ سلطانی پر رونق افروز تھا کہ اچانک چار ہندی شُتر سوار الغیاث کہتے ہوئے حاضر ہوئے۔ خادموں نے اُسی وقت سلطان کو اطلاع دی تو سلطان نے فوراً ان کو طلب کر لیا۔ زمین بوسی کے بعد وہ یوں عرض گزار ہوئے کہ مظفر خان، صاحبِ ہرمز کا مصاحب تھا۔ جب سلطان ابو الحسن لشکر کے ساتھ آیا تو اس نے سالار ہرمز کو قتل کر دیا اور اس کوشش میں تھا کہ مظفر خان کو بھی اس کے بیوی بچوں اور ساتھیوں سمیت ہلاک کر دے مگر وہ مع اہل وعیال وہاں سے فرار ہو کر صحرا کی طرف نکل گیا اور اب چند سال سے قلعہ اجمیر میں سکونت پذیر ہے۔ ان دنوں رائے بھیروں ورائے سوم کرن اور

(1) معروف محقق اور نقاد شمیم احمد (15 مارچ 1933 - 20 جون 1993ء) نے سالار ساہو کا اصل نام سید محمود غازی لکھا ہے۔ (بھائی صاحب، مشمولہ، سہ ماہی روایت، لاہور، اکتوبر 1989ء، ص 8)

(2) اجمیر کب آباد ہوا؟ محمود غزنوی کب اجمیر آئے؟ تفصیل کے لیے دیکھئے: (زبیری، محمد خادم حسین، معین الارواح، ص 398) اجمیر میں چلہ گاہ سالار مسعودؒ غازی کے لیے دیکھئے: (ایضاً ص 423)

(3) نسخہ ہٹیلہ میں ملک زنکبار کا نام بھی لکھا ہے لیکن نسخہ جھوجھہ میں یہ نام نہیں ہے۔

دیگر علاقوں کے چوالیس راجگان کے ہمراہ مظفر خان پر حملہ کے لیے جمع ہیں اور مسلمانوں کو ہلاک کرنے کے در پے ہیں کیوں کہ چاروں طرف کفر ہے اور آپ کی ذات عالم پناہ کے علاوہ کوئی نظر نہیں آتا جو اہل اسلام کی طرف غور و توجہ کرے، خدارا آپ مدد کیجئے۔ سلطان محمود نے ان کو تسلی دی اور کہا ان شاء اللہ میں مسلمانان ہند کی مدد کروں گا۔ اس نے اپنے وزیر خواجہ حسن میمندی کو طلب کر کے پوچھا کہ (وہاں ہندستان میں) کس کا خطبہ پڑھا جاتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ حمد باری تعالیٰ اور نعت رسالت مآبؐ کے بعد خلفائے راشدین کا نام لیا جاتا ہے۔ اب سلطان نے جو امداد کا فرمایا ہے تو اب سلطان محمود غزنوی کا نام خطبہ میں پڑھا جائے گا۔ سلطان اس بات پر بہت خوش ہوا۔ سلطان نے خواجہ احمد حسن میمندی سے فرمایا: فوراً ایک سردار لشکر تجویز کرو، کافی غور و غوض کے بعد سالار ساہو پہلوان (1) کو سالار لشکر چنا گیا۔ ان کے ہمراہ چند معزز کمانڈر سات ہزار (2) جنگ ازمودہ جوان، نیز سلطان نے

---

(1) پہلوان فارسی میں سورما، بہادر اور طاقت ور کو کہتے ہیں (رضوی، مولوی سید تصدق حسین، لغت کشوری، ص 87)

نسخہ ہٹیلہ میں سالار ساہو کے ساتھ سالار زنگی کا نام بھی مرقوم ہے جب کہ دیگر تمام نسخہ جات اور بالخصوص نسخہ جھوجھ میں صرف سالار ساہو کا نام درج ہے۔

(2) نسخہ جھوجھہ میں لشکر کی تعداد سات ہزار مرقوم ہے، جبکہ نسخہ ہٹیلہ میں یہ تعداد اسی ہزار درج ہے۔ (نسخہ ہٹیلہ، ص 29)، The History of India as told by its own Historians Vol:II میں یہ تعداد سات لاکھ درج ہے۔ (ص ٦١٥)

ذاتی اپنی تلوار، خنجر اور نو عراقی گھوڑے (1) سالار ساہو کو عنایت کیے دیگر امرا (کمانڈروں) کو بھی خلعت اور گھوڑوں سے سرفراز کیا اور وصیت کی کہ میری رضا مندی میرے بھائی سالار ساہو کی رضا مندی میں ہے۔ ہر حال میں اس کو راضی رکھیں اور پسندیدہ خدمات بجا لائیں۔ سالار ساہو مہم جو اور نیک کردار انسان اور میرے مزاج دان ہیں۔ میں نے ان میں خیر خواہی اور نیک سلوک کے علاوہ کچھ نہیں دیکھا۔

نو ذی الحجہ 401ھ (14 جولائی 1011ء) کو یہ لشکر سالار ساہو کی قیادت میں قندھار سے اجمیر کے لیے روانہ ہوئے۔ سلطان ان دنوں غزنی سے قندھار تشریف لائے ہوئے تھے اور چار شتر سوار جو مظفر خان کی طرف سے آئے ہوئے تھے ان کی راہنمائی میں یہ لشکر براستہ ٹھٹھہ اجمیر کے لیے روانہ ہوا۔(2) دشت و بیابان پاٹتے ہوئے ایسی جگہ پہنچے جہاں سے اجمیر تین دنوں کی مسافت پر تھا۔ انہوں نے اُن شتر سواروں کو لشکر کی خبر دینے کے لیے مظفر خان کی طرف بھیجا اور خود دریا کنارے پڑاؤ ڈال دیا۔

---

(1) نسخہ ہٹیلہ (از مولانا محمد صدیق) میں ایک سو نو تعداد مرقوم ہے۔ اسی طرح انگریزی ترجمہ میں گھوڑوں کا ذکر ہی نہیں ہے۔

(2) عہد موجود میں بھی سندھ کے مختلف علاقوں میں جھوجھہ قوم آباد ہے قیاس ہے کہ سالار مسعودؒ کے والد سالار ساہو کے لشکر میں شاید جھوجھہ بھی شریک تھے سندھ میں جھوجھہ جج کی عرفیت سے معروف ہیں، میں سال گذشتہ یعنی ۲۰۱۰ء میں جناب علی حیدر جج (جو بطور ڈائریکٹر ایجوکیشن ریٹائرڈ ہوئے ہیں) اور ان کے بیٹے جناب رب نواز جج (سول انجینئر) اور جناب ڈاکٹر سرتاج جج سے مل کر آیا ہوں۔ انہوں نے مزید بھی جج (جھوجھہ) قوم کی سندھ میں موجودگی کی نشاندھی کی ہے۔ (گلزاری)

ایک مصاحب نے سالار ساہو پہلوان کو اطلاع دی کہ پہاڑ کے قریب ایک درخت کے نیچے اور چشمہ کے پاس ایک درویش بیٹھے ہوئے ہیں جو آپ کے متعلق پوچھ رہے ہیں۔ اس نے مزید عرض کی کہ بہتر ہے آپ ان سے مل لیں۔ سالار ساہو نہایت خلوص اور عقیدت سے ان کی ملاقات کو گئے۔فوراً درویش نے کہا آؤ سالار مسعود کے والد۔سالار ساہو نہایت ادب سے درویش کے پاس بیٹھ گئے۔ درویش نے فرمایا کہ اس سفر میں تمہیں دو نعمتیں حاصل ہوں گی ایک کافروں پر فتح یابی اور دوسری اولاد نرینہ۔ پھر درویش نے پانی سے بھری مٹکی کی طرف اشارہ کیا کہ اس پانی سے وضو کرو اور شکر الوضو کے بعد دو نفل ادا کریں اور ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد گیارہ مرتبہ سورۃ اذا جا نصر اللہ پڑھ کر سلام پھیرنے کے بعد ساٹھ مرتبہ سجدہ میں سبوح قدوس ربنا ورب الملٰئکۃ والروح اور تین مرتبہ درود شریف پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو تو ان شاء اللہ فرزند مسعود قطب الوقت فتح اور اقبال مندی والا حاصل ہوگا۔ اسکے بعد کہا کہ اپنا ہاتھ اس درخت کی طرف بڑھاؤ۔ جیسے ہی سالار ساہو نے ہاتھ درخت کی طرف بڑھایا ایک میوہ ان کے ہاتھ میں آیا۔ درویش نے کہا کہ یہ میوہ سنبھال کر رکھنا جب زوجہ غزنی سے یہاں آجائے نصف میوہ اس کو دینا اور نصف خود کھا لینا۔اس دوران اکثر مردان غیب نے اس طرح کی بشارتیں سالار ساہو کو پہنچائیں جیسا کہ یہ تاریخ محمودی میں تفصیلا درج ہے۔ اس وقت سالار ساہو نے کسی دوسرے ہی عالم کا ذوق پایا۔ جو بھی ارادہ دل میں کرتے فوراً پورا ہو جاتا جیسا کہ بہت سی کتابوں میں تذکرہ آیا ہے۔جس

وقت عیسیٰؑ ، مریمؑ کے شکم مبارک میں تھے۔ مریمؑ جو بھی ارادہ کرتیں اسی وقت ظاہر ہو جاتا جس میوہ دار درخت سے گزرتیں، درخت خود جھک جاتا کہ مریمؑ میوہ تناول فرمایں سبحان اللہ! یہ ازلی سخاوت مند کہ شکم مادر سے ہی شان ظاہر ہوتی ہے۔

الغرض جب مظفر خان کو لشکر سالار ساہو کے پہنچنے کی اطلاع ہوئی تو وہ خوشی سے باغ باغ ہو گیا اور اس خوشی میں شادیانے بجائے۔ مخالف گھبرا گئے۔ سمجھ گئے کہ سلطان محمود کا لشکر آ گیا ہے۔ ہندوؤں نے باہم مشورہ کیا کہ قلعہ کا محاصرہ چھوڑ کر سات کوس کے فاصلہ پر کوہ پوکھار کی آڑ میں مورچہ لگانا چاہیے کہ ایسا نہ ہو کہ ایک طرف سے مظفر خان حملہ آور ہو اور دوسری طرف سے لشکر سالار ساہو۔ جب مظفر خان اور سالار ساہو ایک جگہ جمع ہو جائیں گے تو پھر انکا مقابلہ کریں گے۔ اور اس طرح ہندو پہلے ہی نقارہ (شادیانے) پر محاصرہ قلعہ چھوڑ گئے۔

مظفر خان سالار ساہو کے استقبال کو آئے اور باہم ملاقات ہوئی اور مظفر خان نے تواضع و مدارت کی مظفر خان نے عرض کی کہ آپ قلعہ میں تشریف لے چلیں میں قلعہ کے باہر رہوں گا اور ہر وقت حاضر حضور رہ کر ارشاد عالی بجالاؤں گا۔ سالار ساہو نے قبول نہ فرمایا اور کہا کہ میں آپ کی مدد کے لیے آیا ہوں۔ مناب نہیں کہ آپ کے بچے قلعہ کے باہر آ جائیں اور میں اس جگہ قیام کروں۔ سالار ساہو نے لب حوض بھکر جو کفار کا عبادت خانہ تھا' اپنا ڈیرہ لگایا۔ چند روز آرام کر کے مظفر خان کے مشورہ سے کفار کے سر پر جا

سوار ہوئے انہوں نے بھی فوج آراستہ کی اور مقابلہ پر آئے۔دونوں طرف سے بہادر جوان میدانِ جنگ میں آئے تین دن کی جنگ کے بعد سالار ساہو کو فتح یابی نصیب ہوئی۔ کافر شکست کھا کر بھاگے۔لشکر اسلام نے پیچھا کیا کچھ قتل ہوئے اور کچھ قیدی بنالئے گئے۔

سالار ساہو (1) نے انہی کفار کی جگہ پر آکر قیام کیا۔ اہل اسلام جو شہید ہوئے انکو دفن کیا اور تمام مال غنیمت اپنے لشکر پر تقسیم کیا اور دوسرے دن قلعہ اجمیر کی طرف روانہ ہوئے اور قلعہ اجمیر کے دروازے پر مسجد بنوا کر خطبہ سلطان محمود غازی کے نام سے پڑھا جانے لگا۔

اسکے بعد سالار ساہو نے سلطان محمود کو خط لکھا اور مع مبارک تمام روئیداد تحریر کی اور لکھا کہ اجمیر کے اطراف میں اکثر جگہ جہاں مظفر خان کا قبضہ نہ تھا اس جگہ اپنے لوگ مقرر کر گئے اور اپنے تحت اور تصرف میں لے آئے ہیں۔ اور ہر طرف سے خراج وصول ہونا شروع ہو گیا ہے۔باغی جو بھاگ نکلے تھے،قنوج چلے گئے اور رائے جے پال(2) کی پناہ لے لی جیسے ہی قاصد سالار ساہو کا خط لے کر سلطان محمود کے پاس پہنچا تو سلطان محمود بہت خوش ہوئے اورخلعت خاص اور چند عراقی گھوڑے عطا کئے ایک فرمان بھی سالار ساہو کو لکھا کہ تمام ریاست ایک وفا دار بھائی کو مبارک ہو نیز یہ بھی فرمایا

---

(1) نسخہ بٹیلہ میں سالار زنگی کا نام بھی درج ہے لیکن نسخہ جھوجھ میں یہ نام موجود نہیں۔شاید یہ نام بعد کا الحاق شدہ ہے۔

(2) انگریزی ترجمہ میں اجی پال لکھا ہے۔(ص518)

کہ رائے جے پال والی قنوج اگر اطاعت اسلام قبول کر لے تو بہتر ہے ورنہ مجھے مطلع کیا جائے تو میں خود فوج ظفر موج کے ساتھ اس ملک کی سیر کو آؤں اور ستر معلیٰ کو بھی حکم دیا کہ اپنے شوہر کے پاس جائیں۔ ستر معلیٰ مع جملہ غلعت خاص اور فرمان، اجمیر پہنچیں تو سالار ساہو بہت خوش ہوئے اور دونوں نے وہی میوہ عطائے درویش نصف نصف اسی شب کھایا اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے سالار مسعود 9 شوال 404ھ صلب پدر سے منتقل ہو کر رحم مادر میں آئے۔ نو ماہ عیش و سلامتی سے گزرے۔ دسویں مہینے 21 شعبان 405ھ بروز اتوار(1) کو سالار مسعود صبح صادق آفتاب کی پہلی ساعت جو بہت مبارک تھی، میں عالم کو منور فرمایا آپ کی جبین انور سے حسن یوسفؑ ' ملاحتِ ابراہیمیؑ اور نور محمدی ﷺ عیاں تھا۔ یکدم ہر طرف شادمانی کے باجے بجنے لگے۔ اجمیر کے کوچہ و بازار خوش تھے۔

پہلوان لشکر نے انتہائی شوق سے نقد اور جنس درویشوں، فقیروں اور امرا پر نچھاور کیا اور کچھ دن کے لئے محفل جشن آراستہ رکھی جیسا کہ صاحب تاریخ محمودی نے اس واقعہ کو تفصیلاً لکھا ہے اس موقع پر اختصار کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے درج نہیں کی جا رہیں، اس کے بعد نجومیوں کو طلب فرمایا کہ فرزند مسعود کا ستارہ دیکھیں۔ انہوں نے بتایا کہ ساعت ولادت اول ساعت آفتاب ہے اور یہ بڑی نیک ساعت ہے اور مثل قطبِ فلک دنیا میں پیدا

---

(1) غزانامہ میں 21 رجب، نسخہ بٹیلہ 21 شعبان، اور انگریزی ترجمہ میں 21 شعبان درج ہے۔ جب کہ نسخہ جھوجھہ کے آخری صفحہ پر مظفر الحق کے قلم سے تصیح شدہ تاریخ 21 رجب 405ھ مرقوم ہے۔

ہوئے ہیں۔ مشرق سے مغرب تک ان کا نام ہوگا نیز یہ بہت غیور ہیں۔اور کوئی سرکشی نہ کرے گا بالغ ہونے پر بادشاہ کے وزیر سے مخالفت کی بنا پر ترک وطن کرے گا۔ اس کے بعد کسی ملک کو جو کہ کسی مسلمان کے قبضہ میں نہ آسکا، یہ اپنے قبضہ میں لائے گا اور دین محمدی ﷺ کے معاملے میں مستقل مزاج رہے گا۔ سالار ساہو اس خوش خبری پر بہت خوش ہوئے نجومیوں کو انعام دیئے۔ اس حقیقت کو کچھ ہندی تحائف کے ساتھ سلطان کی خدمت میں ارسال کیا جو بھانجے کی پیدائش پر بہت خوش ہوئے اور خلعت شاہانہ برائے پہلوان لشکر، ستر معلیٰ اور سالار مسعودؒ کو مرحمت فرمائی تا کہ ملک ہندان کو (سالار ساہو) (1) اور فرزند (سالارِ مسعود) کو مبارک باد ہو۔ راجہ جے پال والی قنوج اگر اطاعت اسلام پر راضی ہو تو بہتر ورنہ ہم کو اطلاع دو کہ ہم خود اس کے لئے ہندوستان آئیں گے اور ایک نظر سالار مسعودؒ کو بھی دیکھ جائیں گے۔ خواجہ احمد حسن میمندی پہلوان لشکر سے ذاتی طور پر عناد رکھتا تھا سلطان کی اس عنایت پر جل کر رہ گیا لیکن کیا فائدہ۔ الغرض سالار ساہو نے والی قنوج کو ہر چند سمجھایا اور اطاعت قبول کرنے کی پیش کش کی لیکن وہ راہ پر نہ آیا اور طاقت کے غرور میں صلح کی پیشکش خاطر میں نہ لایا بلکہ اس نے نواح اجمیر کے باغیوں کو جو بھاگ کر اس کی پناہ میں آئے ہوئے تھے کو اس بات کی ترغیب دی کہ سلطان کے ملک میں توڑ پھوڑ کریں۔ پہلوان لشکر اس کی کوتاہ اندیشی سے تنگ آکر اس تمام واقعہ کی اطلاع سلطان (محمود) کو دی اطلاع ملنے کے چند روز بعد

(1) نسخہ ہنیلہ میں سالار زنگی کا نام بھی تحریر ہے، جب کہ نسخہ جھوجھہ میں یہ نام موجود نہیں۔

ایک آراستہ لشکر کے ساتھ ہندوستان کے لیے روانہ ہوا۔ (سلطان محمود) لشکر کے ہمراہ خود اجمیر میں تشریف لائے (ہندوستان میں) سالار ساہو اور مظفر خان نے آراستہ لشکر کے ساتھ استقبال کیا اور سلطان کو پہلے اجمیر لائے اور سالار مسعود کو سلطان کی نظر کیمیا اثر سے منظور کرایا بعد میں ہر قسم کے نقد و جنس پیش کئے جو سلطان نے سالار مسعود کو عطا کر دیئے اور چند روز جو اجمیر میں گذارے تو ایک ساعت کے لئے بھی سالار مسعود کو اپنی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیا پھر لشکر کو تیاری کا حکم دیا اور قنوج کی طرف توجہ فرمائی۔ سالار ساہو اور مظفر خان کو ہراول پر مقرر کر کے روانہ ہوئے پہلے متھرا آئے یہاں گویا کفر کی کان تھی اہل ہنود کے بڑے بڑے مندر تھے متھرا کے آس پاس جو بھی باغی اور سرکش زمیندار ملا اس کو تاخت و تاراج کیا اور جے پال والئی قنوج کی طرف توجہ فرمائی وہ مقابلہ کی تاب نہ لا کر وہاں سے فرار ہو گیا۔

مندرجہ بالا واقعہ تاریخ روضتہ الصفا میں مفصل لکھا ہے کہ جب سلطان محمود نے خوارزم کی مہم مکمل کی تو سردیوں کے چار ماہ قلعہ بست اور سکنا باد میں قیام کیا اور لشکر نے سفر کی تکلیف سے رہائی پائی۔ پھر موسم بہار میں اپنی خاص فوج کے ساتھ کوچ کیا' بلاد ماوراء النہر کے گرد و نواح سے بیس ہزار پیادے جو جہاد کے منتظر تھے وہ بھی ساتھ ہو لیے وہ اس انتظار میں تھے کہ سلطان کب قنوج کے لیے روانہ ہوتے ہیں۔ اس سے قبل سوائے گستاسب جو اپنے وقت کا بڑا بادشاہ تھا، کے اور کوئی بھی قنوج کو فتح نہ کر سکا تھا جیسا کہ ملک گیری اسفند یار میں بیان ہوا۔ سکندر نامہ میں ہے کہ سکندر اعظم نے

سلطان محمود سے پہلے قنوج کو فتح کیا تھااور والی قنوج کی دختر کو ہمراہ لے گیا تھا۔ لیکن امت پیغمبر علیہ السلام میں سلطان محمود سے پہلے کوئی فاتح قنوج تک نہ پہنچ سکا اور سلطان محمود نے ہی سب سے پہلے مسلمانوں میں قنوج فتح کیا۔ غزنی سے قنوج تین ماہ کا راستہ ہے۔

جب سلطان نواح کشمیر میں داخل ہوا تو وہ ملک اطاعت میں لگ گیا اور پہریدار کے طور پر لشکر کے آگے روانہ ہوا اہل اسلام وادیاں طے کرتے اور سیر کرتے اور سرکش زمینداروں کو تاخت و تاراج کرتے ہوئے ایک مقام پر پہنچا جو تمام اہل ہند کا معبد ہے اور اس سے مراد شہر متھرا ہے کہ جس کا جزوی طور پر پہلے ذکر ہو چکا ہے وہاں عجیب و غریب عمارت دیکھنے میں آئیں۔ ایک مقام (متھرا) راستہ میں آیا وہاں مندر نہایت عالی شان بنے ہوئے تھے۔ ایک ہزار محل اور دو ہزار بت خانے سنگ رخام اور سنگ مرمر کے بنے ہوئے تھے اور بت خانے اس کثرت سے، کہ شمار میں نہ آتے تھے۔

ان عمارتوں کو دیکھنے کے بعد سلطان محمود نے غزنی کی طرف احکام جاری کیے جس میں لکھا کہ اگر کوئی چاہے کہ غزنی میں ایسی عمارات بنائے تو ایک لاکھ دینار خرچ ہوں گے اور چار سو ماہر کاریگر دو سو سال میں بھی ایسی عمارت نہ بنا پائیں گے۔ ان تمام بتوں میں پانچ بت ایسے دیکھے جو سنگ سرخ سے بنے ہوئے تھے اور ہر ایک کی آنکھوں میں دو یاقوت جڑے تھے اگر ان میں سے ایک آدھ سلطان کی خدمت میں پیش کیا جاتا تو سلطان نہایت رغبت سے پچاس ہزار دینار میں خرید لیتا ایک بت جو یاقوت اور چمکتے ہوئے موتیوں

سے مزین تھا، چار سو مثقال سونے کے برابر ہے اور چاندی کے بت سو مثقال سونے کی قیمت سے زائد کے تھے۔ ایسے بت تین سو سے زیادہ تھے۔ سلطان نے کہا کہ ان بت خانوں کو آگ لگا دی جائے اور وہ خود قنوج فتح کرنے کی طرف متوجہ ہوا۔

اپنی بہت بڑی فوج کو پیچھے رہنے دیا تا کہ رائے جے پال تھوڑی فوج دیکھ کر ثابت قدمی سے رہے اور شکست کو عار سمجھے ہوشیار نہ ہو جائے اور بھاگنے کی نہ سوچے۔ اس طرح سلطان جس قلعہ اور قصبہ میں پہنچا اس کو تباہ و برباد کیا۔ رائے جے پال یہ خبر پا کر اپنے قلعہ سے باہر آیا اور سلطان محمود 18 شعبان 405ھ کو قنوج پہنچا تھا۔ دریا کے کنارے سات قلعے دیکھے جو بہت بلند تھے ان میں ہر ایک آسمان سے باتیں کرتا تھا وہاں دس ہزار بت خانے پائے اور ہندو اپنے بتوں کے بہت معتقد تھے۔ ان کا اعتقار تھا کہ ان بت خانوں کی تعمیر کو تین لاکھ سال ہو چکے ہیں۔ کافر قلعہ بند ہوئے لیکن سلطان محمود نے ایک ہی دن ساتوں قلعے فتح کر لئے اور بہت سے لوگ جان سے ہاتھ دھو بیٹھے اور بہت مال غنیمت سلطان کو حاصل ہوا۔ اس کے بعد سلطان رائے چندر پال کے قلعہ کی جانب متوجہ ہوا۔ وہ ملک کی وسعت اور فوج کی کثرت کی وجہ سے اطراف میں ممتاز تھا۔ راجہ قنوج نے کئی بار لشکر کشی کی مگر عجز سے واپس لوٹ گیا (یعنی فتح نہ کر سکا)۔ چندر پال نے لشکر اسلام کو دیکھا تو قلعہ چھوڑ کر بھاگ گیا۔ سلطان کے لشکر نے تعاقب کیا اور بے شمار مال اور ہاتھی اور بہت ساری غنیمت ہاتھ آئی۔ چندر پال کے قلعہ کا انتظام کر کے سلطان نے چند رائے کی

طرف رخ کیا۔ یہ بڑا سرکش تھا۔فوج کی کثرت اور بے شمار خزائن اور ملک کی وسعت کے باجود فرار ہو گیا۔لشکر اسلام نے تین دن رات کفار کا تعاقب کیا اور ان کے اموال اور اسلحہ حاصل کر لیا۔ بے شمار ہاتھی بھی ہاتھ لگے اور چنڈ رائے کے خزانہ سے تین لاکھ دینار، سلطان کے خزانہ میں پہنچے،اس کثرت سے غلام ہاتھ آئے کہ کسی کو غلام خریدنے کی ضرورت نہ رہی۔جب سلطان محمود ہندستان کی فتح کے بعد غزنی پہنچے تو ایک جامع مسجد اور عالی شان مدرسہ بنوایا اور اس میں ہر علوم کی عمدہ کتابیں رکھوائیں تاکہ عوام الناس ان کو پڑھ کر فائدہ اٹھائیں۔

تاریخ محمودی میں لکھا ہے کہ جب سلطان نے ہندوستان کی جنگ سے فراغت پائی اور غزنی واپس ہونے لگے تو سالار ساہو نے چاہا کہ وہ سلطان کی خدمت میں رہیں۔ سلطان نے کہا کہ یہ ملک جو تم نے فتح کیا ہے اس ملک کا بادشاہ میں تمہیں قرار دیتا ہوں۔لاہور کے قریب سالار ساہو کو خلعت خاص اور اٹھارہ (1) عراقی گھوڑے (2) مرحمت فرمائے سالار مسعود کے حق میں سلطان کی بے حد توجہ اور عنایت رہی۔مظفر خان کو بھی خلعت اور عراقی گھوڑے عنایت کیے۔لاہور سے سالار ساہو ہمرائیوں کے ساتھ اجمیر واپس آئے اور عوام الناس کی فلاح و بہبود کی طرف توجہ کی اور افسران علاقہ مقرر

---

(1) نسخہ بٹیلہ میں پندرہ عراقی گھوڑے لکھے ہیں۔

(2) نسخہ بٹیلہ میں مرقوم ہے کہ سالار رزنگی کو بھی سات عراقی گھوڑے عنایت فرمائے لیکن نسخہ جھوجھہ میں ان کا نام درج نہیں۔

کیے اور والی قنوج پر خراج ادا کرنے کی شرط پر جے پال کو قنوج واپس کیا اور خود حشمت و شوکت کے ساتھ اجمیر میں بیٹھ کر بہ نیابت سلطان محمود ہندوستان کی حکومت کرنے لگے۔

چوں کہ فرزندِ دلبند سے عشق تھا اور جب سالار مسعودؒ کی عمر چار سال چار ماہ اور چار دن ہوئی تو حضرت میر سید ابراہیم کی خدمت میں پیش ہوئے اور رسم بسم اللہ ادا ہوئی۔ سید ابراہیم کو چار گھوڑے نیز ساز و براق نذر کیے، کئی قسموں کے کھانے اور بخشش جو ولادت کے وقت کی تھی اس سے بھی زیادہ (اب) کی۔ حق تعالیٰ نے اس (سالار مسعود) کو علم لدنی عطا کیا ہوا تھا تو نو برس کی عمر میں علوم صوری و معنوی ان پر ظاہر فرما دیئے۔ دس برس کی عمر میں عبادت معبود کا شوق ہوا شب بیداری کا ذوق ہوا۔ اور شب شغل باطن میں گزارتے اور چاشت تک حجرہ سے باہر نہ آتے اتنا کہ اہل یقین درویشوں کو بھی حسرت ہوتی۔ چاشت ادا کر کے باہر آتے اور درویشان با کمال اہل باطن، اور علمائے باعمل کی صحبت میں رہتے اور انہی کے ہمراہ کھانا تناول فرماتے اور قیلولہ کے لیے اٹھ جاتے۔

بعد نماز ظہر پھر دیوان عام میں تشریف لے آتے۔ امیر زادے اور شہزادگان ہم عمر سے ملاقات فرماتے کبھی سیر و شکار کے لئے سوار ہو کہ تشریف لے جاتے اور کبھی نیزہ بازی و تیراندازی میں مشغول ہوتے کبھی چوگان کھیلتے الغرض جہاد اکبر اور جہاد اصغر دونوں سے آراستہ تھے۔ نہایت خوش تقریر تھے۔ اکثر اصطلاحات روزمرہ ہر قسم کے فصیح و بلیغ ایسے زبان سے ادا کرتے

تھے کہ حاضرین حیرت میں مبتلا ہوتے۔سلطان الشہدؒا بڑے بلند ہمت تھے۔ سخاوت کی وجہ سے سب حاتم ثانی کہتے جو سامنے آتا انعام سے محروم نہ رکھتے۔گھوڑے، جواہر، خلعت، شمشیر وخنجر حسب لیاقت عطا فرماتے۔

ہر کہ صاحب ہمت آمد مرشد
ھمچو خورشید از بلندی فروشد

سلطان الشہدؒا ظاہر و باطن میں پاک تھے شغل (ذکر) الٰہی اور گناہ سے پاک اور باوضو رہتے۔اکثر نماز غسل کر کے ادا فرماتے اور جہاں تشریف فرما ہوتے صاف بساط (فرش/ چاندنی) رکھتے اور نفیس لباس زیب تن فرماتے۔عطر اور پان کو بہت پسند فرماتے اور چند ہزار فرشتہ شکل اور شائستہ جوان انکی خدمت میں رہتے، ہر ایک کا یہی طور طریقہ تھا کوئی ان کی محفل ومجلس میں آتا حیران ہو جاتا کہ سلطان الشہدؒا کا دوست بن جاتا اور جو کوئی سلطان الشہدؒا کا جمال یوسفی دیکھتا وہ ان کے نیک سلوک اور پسندیدہ افعال کا عاشق ہو جاتا اور باقی عمر (ایسے ہی عاشق) رہتا۔مگر جو کوئی سیہ دل ہے ان کے نور ولایت پر ایمان نہیں رکھتا۔آئمہ معصومین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بعد جمال محمدیؐ، اسی قسم کے مردانِ غازی اور اہل صفا پر متجلی ہوتا ہے اور مشرکوں کو توحید کی طرف ہدایت عطا کرتے ہیں۔

انیست کمال مردِ راہِ یقین
در ہرچہ نظر کند خدا را بنید

(صاحب یقین ایسے باکمال ہوتے ہیں کہ ہر شے میں مشاہدہ انوارِ خداوندی کرتے ہیں)

واللہ اعلم بالحقیقت و الصواب

داستانِ دوم:

سالار ساہو اور سالار مسعودؒ کی غزنی واپسی، سوم نات کے بت کی وجہ سے احمد حسن میمندی وزیر کا سالار مسعودؒ سے عناد کرنا۔

پہلوان لشکر نے دس برس تک ہندوستان کے اکثر ممالک کا انتظام مکمل کیا اور کفار کی طرف سے اطمینان ہو گیا اور بغیر کسی رکاوٹ کے خراج ہر طرف سے آنے لگا تو اس وقت سلطان محمود خراسان کے معرکہ میں مشغول تھے کہ کوہ دامن کے سرکشوں نے متفق ہو کر سر اٹھایا اور کاہلر (1) کو تاراج کرنے کا ارادہ کیا ملک چھجو حاکم کاہلر نے اس حقیقت سے سلطان کو آگاہ کیا۔ جیسے ہی یہ اطلاع سلطان محمود تک پہنچی تو انہوں نے پہلوانِ لشکر کو فرمان جاری کیا کہ نصف فوج اجمیر شریف کی حفاظت کے لیے چھوڑ کر باقی نصف فوج کے ہمراہ وہ کاہلر روانہ ہو جائیں اور کافروں کی ایسی گوشمالی کریں کہ آئندہ سرکشی و سرتابی کی جرأت نہ کریں کیونکہ وہ خود اس وقت ایک مہم میں مصروف ہیں۔ ورنہ وہ خود اس مہم پر جاتے۔

کاہلر کشمیر کے کوہ دامن میں واقع ہے۔ یہ مرکزی مقام تھا۔ یہاں ایک بہت

---

(1) کاہلر کو ایلیٹ نے kabuliz لکھا ہے۔(The History of India as told by its own Historians:v:II,p520)، آئینہ مسعودی میں کالنجر عرف کاہلر لکھا ہے۔(ص 35) جب کہ میجر ہنری، جارج راورٹی نے Notes on Afghanistan and Baluchistan کی دوسری جلد میں 102 نمبر روٹ پر جو کہ کابل سے گردیز براستہ زورمت ہے کالنجر کا ذکر کیا ہے۔(ص، 571، 684،677)، اسی طرح کالنجر نام کی ایک جگہ بھارت میں بھی واقع ہے۔ کاہلر کا موجودہ نام اور کیفیت کے بارے کچھ معلوم نہیں پایا۔(گلزاری)

بڑا قلعہ تھا جو رائے کلچند کے تصرف میں تھا یہ راجہ کلچند فرعونی(1) اپنے ملک، مال اور فوج کی وجہ سے بہت گھمنڈ رکھتا تھا۔ جب 407ھ میں سلطان محمود قنوج فتح کرنے گیا تو جب وہ کشمیر کے نواح میں پہنچا تو کلچند کا قلعہ ہزار تلاش اور تردد سے فتح کیا۔ کلچند اپنے پچاس ہزار فوج کے ہمراہ قتل ہو گیا تھا۔ تاریخ روضتہ الصفا میں اس واقعہ کی پوری تفصیل درج ہے اختصار کی وجہ سے یہاں تحریر نہیں کی جا رہی ہے (یعنی عبدالرحمٰن چشتی نے مراۃ مسعودی میں تحریر نہیں کی)

اب اس نافرمانی کو دوبارہ دبانے کی خاطر پہلوان (سالار ساہو) نے سید ابراہیم .مظفر خان اور دوسرے معتمد امرا کو سالار مسعودؒ کے پاس چھوڑا اور خود کاہلر روانہ ہوئے۔

بے حساب کافر جمع ہو گئے .تھے اور کاہلر کے اردگرد کو برباد کر دیا تھا (خاک سیاہ یعنی جلا کر خاکستر) ملک پھجو ایک کھلی جنگ نہ کر سکنے کی وجہ سے قلعہ بند ہوئے اور کفار نے علاقے میں تباہی پھیلادی اور گھروں کی طرف رخ کر لیا۔ پہلوان لشکر پہنچے اور مقابلہ ہوا۔ تین گھنٹے کی جنگ میں لشکر اسلام بھاری پڑ گیا اور کافروں کو ہزیمت کے علاوہ چارہ نہ رہا۔ کفار کے چالیس سردار قید ہوئے، ہزاروں کفار قتل ہوئے۔ بہت بڑی فتح تھی ۔ سالار ساہو نے سلطان محمود کو اس فتح کی خوش خبری دی ۔ جس پر سلطان بہت خوش ہوا۔ اور ایک فرمان جاری کیا جسکی رو سے انعام

(1) ایلیٹ نے کلچند کے ساتھ فرعونی کے اضافے کو فاش غلطی قرار دیا ہے۔ (ص 521: ج 11): حالانکہ شیخ عبدالرحمٰن چشتی کی فرعونی سے مراد رائے کلچند کا فرعون صفت ہونا ہے اور اس سلسلہ میں ان کا مأخذ تاریخ روضتہ الصفاء ہے۔ (ج:4،ص41)

کے طور پہ یہ صوبہ سالار ساہو کو عنائت کر دیا کہ اس جگہ کو اپنے لیے وطن بنائے۔
جب پہلوان لشکر کے لیے کاہلر کی رہائش مقرر ہوگئی تو انہوں نے اجمیر کی طرف قاصد روانہ کیا کہ سالار مسعودؒ کو روانہ کیا جائے کہ میری آنکھوں کا نور یہ بیٹا مع والدہ کے ادھر تشریف لائے۔ اجمیر کا بندوبست ان امیروں کے سپرد کرے جن کو سالار ساہو نے ذمہ دار بنایا تھا۔ جب قاصد اجمیر پہنچے تو سلطان الشہداؒ اس پیغام سے بہت خوش ہوئے اور دوسرے دن اپنی والدہ محترمہ اور اپنے ہمنشینوں، جو ستاروں کی طرح اس چاند کے گرد ہوتے تھے، چند ہزار فوجیوں کے ہمراہ اگلی ہی صبح اجمیر سے کاہلر کے لیے روانہ ہوگئے اور منزل بہ منزل سفر کرتے ہوئے راول(1) پہنچے یہاں کا زمیندار سیوگن و بشنوں خواجہ وزیر احمد حسن میمندی کے سسرالی رشتہ دار تھے۔ وہ آپکے استقبال کے لئے آئے اور درخواست کی کہ سالار مسعودؒ انکی حوصلہ افزائی کے لئے ان کے گھر پر ٹھہریں اور اس طرح علاقہ کے دوسرے زمینداروں میں ان کی عزت بڑھے۔ سیوگن کے ماتھے پر اس کا نفاق اور بد نیتی نظر آ رہی تھی۔ سلطان الشہداؒ نے کسی طرح قبول نہ فرمایا کہ اس کافر دغا باز کے گھر جائیں۔ اپنا ڈیرہ (کیمپ) قصبہ کے باہر حسب عادت سابقہ لگالیا۔

اس کے بعد سیوگن نے کہا کہ کھانے کا سامان خدمت گاروں کے لیے لایا ہوں سلطان الشہداؒ نے جواب دیا کہ مذہب ائمہ اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مطابق وہ کافروں کے گھر کا کھانا نہیں کھاتے۔ چونکہ سیوگن کے دل میں نفاق تھا لہٰذا یہ عرضی بھی منظور نہ ہوئی، سیوگن نے پھر عرض کیا کہ چاول اور کھانے کا ہر

---

(1) راول شاید آج کا راول پنڈی مراد ہے، ایک اور جگہ فارسی تحریر میں زاول بھی تحریر ہے۔

سامان یہ غلام لے آتا ہے اور سرکار کے باورچی کھانا بنالیں لیکن یہ عرضی بھی قبول نہ ہوئی۔ صبح کوچ کے وقت اس نے دو من مٹھائی ہر قسم آراستہ کر کے پہنچائی اور اول درجہ کی شیرینی سلطان الشہدا کے پاس بھیج دی وہ سب زہر آلود تھی۔ سلطان الشہدا نے اپنی نور ولائت سے بھانپ لیا اور وہ مٹھائی بکول (باورچی خانہ کا انچارج) کے حوالے کی اور تاکید کی کہ اسے کوئی بھی نہ کھائے۔ سیوگن کو تحائف دے کر رخصت کیا اور خود کوچ کر کے دوسری منزل پر آ گئے۔ ملک نیک بخت کو حکم فرمایا سیوگن والی مٹھائی لائی جائے۔ جب مٹھائی منگوائی تو شکاری کتوں کو بھی منگوایا گیا۔ شرینی اول درجہ کی تھی۔ کتوں کو دی، تمام کتے زہر سے ہلاک ہو گئے۔ سلطان الشہداء نے حاضرین کی طرف رخ فرمایا اور لسانِ وحدت نثار سے ارشاد فرمایا کہ اس کافر بچے نے مجھے بھی عام ظاہر بین آدمی خیال کیا تھا۔ اور تمام حاضرین سلطان الشہدا کی اس کرامت کو دیکھ کر حیران ہو گئے اور منہ زمین پر رکھ کر ثنا خوانی شروع کر دی۔ جب یہ خبر ستر معلیٰ تک پہنچی تو زار و قطار رونے لگیں۔ کہ الٰہی کیسا ظلم ہے اس مردود کافر نے حسن میمندی کے اشارے پر دغا کیا، سلطان الشہدا کو اپنے سامنے بلایا، راہ خدا میں صدقہ و خیرات دیا۔ رات کو وہیں آرام فرمایا۔ صبح کوچ کا وقت ہوا تو سلطان الشہدا نے والدہ سے گزارش کی کہ آج یہیں قیام فرمائیں۔ اچھی شکار گاہ ہے۔ میں شکار کر کے آتا ہوں۔ سلطان الشہدا چند ہزار فرشتہ شکل اور جانباز نوجوان لیکر کے نواح راول میں شکار کھیلنے آ گئے کچھ جاسوس سیوگن کی خبر کو مامور فرمائے کہ کس حال میں ہے۔ جب قصبہ کے قریب پہنچے تو جاسوسوں نے یہ خبر پہنچائی کہ سیوگن غسل کے بعد بت خانہ میں پوجا کرتا

ہے۔ اسی وقت گھوڑے دوڑا دیئے کافروں کو بھی خبر ہوگئی۔ قصبہ سے نکل آئے اور جنگ شروع کر دی۔ جانباز جوانوں نے تلواریں لہراتے ہوئے ہر طرف سے پروانوں کی طرح جستیں لگائیں۔ کافر مقابلہ کی تاب نہ لاسکے اور ہزیمت پا گئے۔

غازیوں نے گویا گیند کی طرح سروں کو قلم کیا۔ سیوگن کو زندہ گرفتار کر کے سلطان الشہداء کے پاس لائے۔ سلطان الشہدا نے فرمایا! اے سیوگن شیر کے بچوں سے کھیلا نہیں کرتے۔ یہ نہ جانتے تھے اسد اللہ غالب کا فرزند ہوں۔ پھر حکم فرمایا اس مردود کو بیوی بچوں سمیت باندھ کر لشکر میں لے جاؤ اور تمام شہر کو تاراج کرنے کا حکم دیا۔ القصہ سیوگن کو بیوی بچوں کیساتھ باندھ کر لشکر گاہ لائے۔ سلطان الشہدا کی پہلی کرامت اور پہلی فتح یہی تھی۔ ستر معلیٰ نے حکم کیا کہ شادیانے بجائے جائیں اور بے حد صدقات دیئے گئے اور سلطان الشہدا نے تمام فوجیوں کو گھوڑے، کپڑے اور نقد روپے عطا فرمائے اس وقت سلطان الشہدا بارہ برس (1) کے تھے۔ دوسرے روز یہ واقع مفصل لکھ کر قاصدوں کے ساتھ سلطان محمود غازی کو روانہ کیا اور خود کاہلر کو عازم سفر ہوئے۔ سالار مسعودؒ کے قاصدوں کو پہنچنے سے پہلے ادھر سیوگن کا بھائی نرائن نے حسن میمندی کی اعانت سے سلطان سے فریاد کی، کہ اس غلام کے بھائی سیوگن کو مع بیوی بچوں سالار مسعودؒ باندھ کر لے جا رہا ہے۔ قصبہ روال کو غارت (تباہ) کر دیا ہے۔ ابھی سلطان اس بات پر حیرت زدہ تھا۔ کہ اسی وقت سلطان الشہداء کی عرضداشت پہنچ گئی۔ سیوگن کی نمک حرامی ظاہر ہوگئی۔ خط پڑھ کر سلطان نے دست خاص سے ایک خط سلطان الشہداء کے

---

(1) غزانامہ مسعود میں دس برس اور آئینہ مسعودی میں بارہ برس لکھا ہے۔

نام لکھا کہ تمہارے خط سے پہلے یہاں نرائیں پہنچ گیا تھا اس نے یہ بات دوسرے طریقے سے پہنچائی تھی۔ مجرم کو اچھی طرح نگاہ میں رکھیں میں خود تحقیق کے بعد سزا دوں گا۔

سلطان الشہدا اس فرمان کو پڑھ کر بے حد خوش ہوئے اور حسن میمندی کے گھر میں ماتم پڑ گیا کہ چھپا ہوا نفاق ظاہر ہو گیا ہے۔ جب کاہلر ایک کروہ (منزل یا کوس) رہ گیا پہلوان لشکر کو یہ خبر ملی تو فرزند یوسف ثانی کے دیدار کے شوق کا غلبہ ہوا، مثل حضرت یعقوبؑ کے بے اختیار استقبال کے لیے نکل آئے۔ جونہی سلطان الشہدا کی نظر پہلوانِ لشکر پر پڑی تو گھوڑے سے اتر آئے۔ اور سلام کرتے ہوئے والد کی قدم بوسی کرنی چاہی۔ پہلوان لشکر بھی گھوڑے سے اترے۔ محبوب رب العالمین کی نظر اٹھتی گئی لوگ اس حسنِ یوسفی کے سامنے بے دست و پا گر پڑتے اور ان کو جو بھی دیکھتا حیران رہ جاتا جیسے حضرت عیسیٰؑ چوتھے آسمان سے اتر آئے ہوں یا صاحب الزماں محمد مہدی علیہ السلام کا ظہور ہو گیا ہے۔ ان کے چہرہ پر ایسے انوار متجلی ہوتے تھے کہ ہر کوئی پروانہ وار قربان ہوتا۔ سمجھ نہ آتی تھی کہ چھپا ہوا خزانہ اس زیبائی سے ظاہر ہوا ہے چنانچہ ایک عظیم بزرگ فرماتے ہیں:

آن بادشاہِ اعظم دربستہ بود محکم
پوشید دلق آدم ناگاہ بر درآمد

(وہ بڑا بادشاہ کہ اس نے مضبوطی سے دروازہ بند کیا ہوا تھا۔ آدم کی گودڑی (لباس) پہن کر اچانک دروازے پر آ گیا)

عالم سفلی کے لوگوں کو یہ بینائی کہاں کہ عالم علوی کے ساکنان جو "خلق آدم علیٰ صورتہٖ" کی تجلیات سے محظوظ ہوتے ہیں، سے فائدہ اٹھا سکیں)

مرد می باید کہ باشد شہ شناس

تا شناسد شاہ را در ہر لباس

(مرد تو وہی ہے جو بادشاہ کو پہچاننے والا ہو، یہاں تک کہ وہ بادشاہ کو ہر لباس میں پہچان لے۔)

القصہ پہلوانِ لشکر، سلطان الشہدا کو لے کر گھر آ گئے۔ چند دن متواتر خوب محفل رہی۔ پہلوان لشکر نے بہت سے صدقات اور عطیات دیے۔ سلطان الشہدا محض والدین کی تسکین کی خاطر کے واسطے عالم کثرت میں رہتے تھے لیکن باطن میں دریا وحدت میں سر سے پاؤں تک مستغرق رہتے۔ رتبہ حضوری حاصل تھا۔

سلطان محمود ایک مدت سے یہ ارادہ رکھتے تھے کہ ہند میں ملک نہر والہ اور گجرات پر لشکر کشائی کریں کیونکہ سومنات کا بت خانہ جو تمام ہند کا معبد تھا اس کو برباد کریں۔ جب خراسان کی مہم سے فارغ ہو کر غزنی مراجعت کی تو سلطان نے ایک فرمان سالار ساہو کو جاری کیا کہ وہ کاہلر کا انتظام اپنے کسی پر اعتماد ساتھی کے سپرد کر کے، میرے بیٹے سالار مسعود کے ساتھ میرے پاس آ جائیں۔ وہ سلطان کی بارگاہ میں پہنچے تو سلطان محمود نے سالار مسعودؒ کے ساتھ اتنی کمال شفقت اور مہربانی کا سلوک کیا جس کو ان (سلطان محمود) کے بیٹے سلطان مسعود اور سلطان محمد، رشک سے دیکھتے تھے۔

سلطان محمود نے سالار ساہو کو خلوت میں بلایا اور سومنات پر لشکر کشی کے

بارے میں مشورہ کیا۔ اس نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے آپ کا دبدبہ اور مضبوطی کفار پر اتنی غالب آچکی ہے کہ کوئی بھی مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتا اور اس بات (سومنات پر حملہ) پر توجہ دینا ملک/حکومت کی بہتری میں ہے۔ سلطان کو یہ بات اچھی لگی لیکن خواجہ احمد حسن میمندی کی طبیعت پر گراں گزری۔ گفت و شنید کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ پہلوان لشکر کاہلر چلے جائیں اور ہندوستانیوں کے فتنہ فساد کی خبر رکھیں اور سالار مسعودؒ آرام کردہ لشکر، جو جنگ پر جائے گا، کے ساتھ سلطان کے ہمراہ رہیں۔ پس فوج ظفر موج، سومنات کی طرف روانہ ہوگئی۔ سالار مسعودؒ چند ہزار نوجوانوں کے ساتھ اس حملہ میں سلطان کی خدمت میں ٹھہرے رہے اور ان سے کئی کرامات ظہور پذیر ہوئیں۔ جو سلطان کی محبت و عنایت میں اضافے کا باعث بنیں اور پھر سلطان اول ملتان پہنچے۔ اور ہر قسم کے سامان (رسد۔اسلحہ) کا انتظام کر کے سومنات کی طرف متوجہ ہوئے۔ تاریخ روضۃ الصفا میں تفصیلاً تحریر ہے کہ سلطان محمود ملتان آئے۔ اور لشکر سومنات کی طرف چلا۔ سومنات ہندوستان کے بتوں میں بہت بڑا تھا۔ حسب ارشاد شیخ فرید الدین عطارؒ بیان کرتے ہیں کہ سومنات ایک علاقہ (گاؤں) تھا اور لات نام کا بت ان علاقوں کا تھا، فرماتے ہیں:

یا فتند آن بت کہ نامش بود نات
لشکر محمود اندر سومنات

(وہ بت ملا جس کا نام نات تھا، جب لشکر محمود سومنات میں تھا)

مؤرخین کہتے ہیں:۔(1) کہ سوم نات کا بت خانہ دریا کے کنارے پر واقع تھا اور اہل ہند چاند گرہن کی رات نہایت خوشی اور فخر کے ساتھ اس بت کی زیارت کو آتے تھے اور اس رات ایک لاکھ سے بھی زیادہ آدمی آتے تھے۔ دس ہزار گاؤں کی کمائی اس کے لئے وقف تھی ۔ ہزار ہا جواہرات اور موتی یہاں جمع ہو چکے تھے کہ اس کا عشر عشیر بھی بادشاہوں کے گھر خزانہ میں نہ تھا۔ دو ہزار (زنادار) آدمی (برہمن) جنو پہنے اس بت خانہ میں عبادت میں مصروف رہتے ۔ کافی گھنٹیاں اور ایک سونے کی زنجیر جسکا وزن دو سو من تھا یہاں لٹکی رہتی تھی ۔ اور اسی قدر نقارے وہاں سجائے گئے تھے اور تین سو حجام، تین سو گانے والیاں اور پانچ سو رقاص عورتیں یہاں پر مقرر تھیں کہ بت خانے کی خدمت کریں دریائے گنگا جو دہلی اور قنوج کے مشرق میں واقع ہے اور سومنات سے کافی فاصلہ پر ہے۔ دریائے گنگا کا اس قدر راستہ طے کر کے تازہ پانی روزانہ سومنات لایا جاتا اور بت کو اس سے غسل دیا جاتا تھا۔

جب سلطان نے 410ھ میں ملک ہندوستان کے اکثر بت خانوں کو توڑا تو سومنات کے معتقدین کہنے لگے کہ سومنات ان بتوں سے رنجیدہ اور ناخوش ہے، ورنہ سلطان کا لشکر تباہ کر دیتا ۔ جب سلطان کو یہ خبر پہنچی تو اس نے کہا کہ اب سومنات کو ہر حال میں توڑ دینا چاہیے تاکہ اہل ہند کا یہ خیال اور وہم دور ہو جائے ۔ سال مذکور ہی میں سلطان ملتان سے سوم نات کی طرف متوجہ ہوا۔ چونکہ راستہ میں پانی اور چارہ وغیرہ نہ تھا اس لیے اپنے لشکر کے ہمراہ بیس ہزار اونٹ، پانی اور

(1) یہاں سے آگے کی تفصیلات تاریخ روضۃ الصفا جلد 4 صفحہ 24 سے لکھی گئی ہیں۔

گھاس لے کر چلے۔ راستہ بہت بیابان اور دشوار گذار تھا۔ راستہ میں جا بجا قلعے بھی پائے گئے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے قلعوں والے لوگ بھی استقبال کو آئے اور ملازمت بھی کر لی نیز رہبری بھی کرتے تھے۔ غرض راستہ کے جو بت خانے سلطان نے دیکھے توڑ ڈالے اور پھر سومنات پہنچ گئے۔ وہاں دریا کے کنارے ایک بہت بڑا قلعہ دیکھا اور دریا کی موجیں اس قلعہ کی چاردیواری تک پہنچتی تھیں۔ بے شمار لوگ سر اٹھائے مسلمانوں کا طرز اور انداز دیکھتے تھے اور ہنود کا اعتقاد تھا کہ ان کا معبود لشکر اسلام کو ہلاکت میں ڈال دے گا۔

دوسرے روز مسلمانوں کا لشکر قلعہ کے نیچے پہنچا اور رات تک جنگ کرنے کے بعد اپنی قیام گاہ پر آ گئے۔ اگلے روز سلطان خود بھی متوجہ ہوئے اور سلطان کی قیادت میں لشکر محمودی قلعہ میں داخل ہو گئے۔ کافروں کے پاس کوئی علاج نہ رہا، دوڑتے ہوئے بت خانہ میں آئے اور سومنات سے لپٹ کر رونے لگے اور بت خانہ کے دروازہ پر آ کر اپنی جانیں دیں۔ پچاس ہزار سے زیادہ ہندو قتل ہوئے۔ باقی ماندہ کشتیوں پر سوار ہو کر بھاگ گئے۔ جس جگہ سومنات رکھا تھا وہ طول اور عرض میں کافی بڑا تھا۔ اس میں چھپن ستون لعل زمرد سے جڑے ہوئے تھے۔ سومنات ایک پتھر سے تراشا ہوا تھا جسکی لمبائی پانچ گز تھی جبکہ دو گز زمین میں گڑا ہوا تھا اور تین گز زمین سے اوپر تھا۔ سلطان خود بت خانے میں آیا گرز اپنے ہاتھ میں لیکر سومنات کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور غزنی لا کر جامع مسجد کے دروازے پر ڈال دیا اور کتنے ہی ہزار دینار سرخ، خزانہ سومنات میں تھے، سلطان کو حاصل ہوئے۔ چند دیگر قلعے جو گردونواح میں تھے۔ سلطان نے شمشیر سے مسخر کر لیے جب

سلطان نے دیکھا کہ ملک بہت بڑا ہے اور پہاڑ پر زر خالص یعنی سونے کی کان ہے اور ایسے بھی عمدہ جواہرات جو کسی دوسرے ملک میں نہیں ہیں جو کہ بغیر مشقت اور تکلیف کے ہاتھ آتے ہیں، تو خیال آیا کہ چند سال خود یہاں ہی رہیں۔ مشورہ دینے والوں نے کہا کہ ملک خراسان بہت مشکل سے ہاتھ آیا ہے اسکو خالی نہ چھوڑا جائے۔ سلطان نے مشورہ قبول کیا اور پوچھا کہ یہاں پر کس کو انتظام کے لئے چھوڑا جائے ؟ مشورہ کاروں نے جواب دیا کہ یہاں کسی اجنبی شخص کا رہنا ممکن نہیں لہذا بہتر ہے کہ یہاں کے وارثوں میں سے کسی کو انتظام دے دیا جائے۔ مختصر یہ کہ ایک دابشلم نامی شخص کو جو اس مملکت کے بادشاہوں کی نسل سے تھا کو سومنات سپرد کیا اور خراج مقرر کر دیا سالانہ خزانے میں داخل کریں۔ اور خود سلطان نے چاہا کہ ہمراہ لشکر براستہ ریگستان سندھ کی طرف سے واپس جایا جائے۔

تاریخ فیروز شاہی کلاں میں سلطان کا حال اس طرح آیا ہے کہ جب یہ طے ہو گیا کہ ریگستان کے راستے سفر کرنا ہے تو کسی رہبر کو تلاش کیا جائے۔ لوگ ایک ہندو کو لائے اور لشکر اسلام اس ہندو کی رہبری میں روانہ ہو گیا۔ ایک دن اور رات برابر مسافت طے کرنے کے بعد لشکر نے قیام کیا لیکن وہاں پانی نہ تھا۔ یہ بات سلطان کو بتائی گئی تو حکم ہوا کہ ہندو رہبر کو بلاؤ۔ سلطان نے اس سے پوچھا کہ تو کیوں ایسے راستے سے لایا کہ جہاں پانی بالکل ہی نہیں ہے۔ اس ہندو نے جواب دیا کہ میں نے سومنات پر اپنی جان فدا کر دی ہے تجھے اور لشکر کو یہاں لایا ہوں کہ کسی طرف پانی نہیں تاکہ آپ لوگ ہلاک ہو جائیں۔ سلطان نے حکم دیا اور ہندو کو تہ تیغ کر دیا گیا۔ جب رات ہوئی تو سلطان خیمہ سے باہر آیا اپنی جبین زمین

پر رکھ کر خدا ذوالجلال واکرام سے عاجزی کیساتھ اس (حالت) سے خلاصی طلب کی۔ جیسے کچھ رات گذری کہ یکا یک شمال کی جانب سے ایک چمک ظاہر ہوئی سلطان کے حکم سے لشکر چمک کی جانب روانہ ہوا۔ صبح کے وقت لشکر ایسی جگہ پہنچ گیا۔ جہاں پانی تھا۔ تمام مسلمانوں کو اس بلا سے خلاصی اور سلامتی نصیب ہوئی۔

اللہ تعالیٰ نے اس بادشاہ کو بے شمار کرامات عطا کی ہوئی تھیں، صاحب تاریخ نفحات الانس لکھتے ہیں کہ جس وقت سلطان محمود سوم نات کی لڑائی پر گیا تھا۔ تو خواجہ ابو محمد چشتی بھی جنکی عمر اس وقت ستر برس تھی لشکر کے ہمراہ ہوئے انکے ساتھ کچھ درویش اور فقرا بھی تھے۔ اور بنفس نفیس کفار سے جہاد میں شامل ہوئے۔ ایک روز مشرکین نے غلبہ کیا تو لشکر اسلام نے اپنے مقام پر آکر پناہ لی قریب تھا کہ شکست ہوجائے۔ خواجہ ابو محمد چشتیؒ کے قصبہ چشت میں ایک مرید تھے۔ جن کا نام محمد کا کو تھا۔ آپ نے محمد کا کو، کو میدان جنگ سے آواز دی کہ آجاؤ حال میں دیکھا کہ محمد کا کو مضطرب ہے اور دشمن سے لڑ رہا ہے۔ یہاں تک کہ لشکر اسلام کو فتح ہوگئی اور کافروں کو ہزیمت۔ اُس وقت لوگوں نے چشت میں دیکھا کہ محمد کا کو پہاڑ سے پتھر لے کر دیوار پر مارتے تھے، اس کا سبب محمد کا کو سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ جس حق تعالیٰ نے بہ مثل ابو محمد چشتی عارف کامل کو سلطان کی امداد کے لیے مامور فرمایا تو اس سے کون مقابلہ کرسکتا ہے۔

تاریخ محمودی میں لکھا ہے کہ چند دنوں کے بعد سلطان غزنی پہنچا اور بت سوم نات کو جامع مسجد کے دروازے پر ڈال دیا تاکہ مسلمان جب نماز کے واسطے جامع مسجد میں آئیں اور واپس جائیں تو اس بت کے سینہ پر پیر رکھتے ہوئے

آئیں، جائیں۔ جب یہ خبر کفار کو پہنچی ۔تو ان لوگوں نے قاصد خواجہ احمد کے پاس بھیجا کہ بت پتھر سے بنا ہوا ہے تمہارے کام نہیں آسکتا۔ پس اس کا دو چند سونا ہم سے لے لیا جاوئے اور بت ہمیں دیدیا جائے۔ خواجہ احمد نے سلطان کی خدمت میں یہ عرضداشت پیش کی کہ کفار دوگنا سونا دیتے ہیں اور خدمت قبول کرتے ہیں۔ حکومت کی بہتری ہے کہ سونا لے لیا جائے اور بت واپس کر دیا جائے۔ بادشاہ نے التماس خواجہ حسن کو منظور کیا، کفار سونا لائے جو خزانہ میں جمع کرا دیا گیا۔

ایک روز سلطان تخت سلطنت پر بیٹھا تھا کہ کفار کے قاصد نے آکر عرض کی کہ خداوند عالم بت کے عوض ہم لوگوں نے سونا سرکار میں پہنچا دیا لیکن اپنی امانت یعنی بت سومنات واپس نہیں ملا۔ سلطان کو ان کا یہ کہنا اچھا نہ معلوم ہوا۔ اور کوئی جواب نہ دیا، اٹھے اور سالار مسعودؒ کا ہاتھ پکڑ کر محل کے اندر لے گئے ۔اور پوچھا کہ اے فرزند سعید تمہارے دل میں کیا آتا ہے؟ کیا بت کو ہم دے دیں؟ سالار مسعودؒ کیونکہ ازل سے سعادت مند تھے فوراً عرض کی کہ جب پروردگار قیامت کے دن کرسی عدالت پر بیٹھے گا اور بلائے گا کہ آذر بت تراش اور محمود بت فروش کو میرے سامنے حاضر کرو۔ اس وقت سلطان کیا جواب دیں گے ۔ اس بات نے سلطان کے دل میں بہت بڑا اثر کیا۔ اور سلطان حیران ہوا اور کہا کہ اگر میں اس بات کو مانتا ہوں تو عہد شکنی ہوتی ہے۔ سالار مسعودؒ نے عرض کی کہ بت میرے حوالے کر دیا جائے اور کہہ دیا جائے اس سے بت لے لو۔ سلطان نے اس تجویز کو پسند کیا۔ سالار مسعودؒ بت اپنے گھر لے ائے اور بت کے کان، ناک، توڑ کر پیس لیے، احمد میمندی وزیر نے کفار کے ہمراہ سلطان کو عرض کی کہ اگر حکم ہو تو میں سومنات بت

کافروں کو دے دوں۔ سلطان نے کہا کہ اس بت کو سالار مسعودؒ غازی اپنے گھر لے گئے ہیں۔ وہاں ان لوگوں کو بھیج دو کہ ان سے جا کر لے لیں۔

خواجہ حسن نے سر ہلایا اور یہ حدیث پڑھی۔ الضدان لا یجتمعان یعنی دو ضدیں پوری نہیں ہوتی ہیں۔ بہرحال کافروں سے کہہ دیا کہ بت سالار مسعودؒ غازی کے پاس ہے وہاں جا کر لے لو۔ کفار نے دروازہ سالار مسعودؒ غازی پر آ کر بت مانگا۔ سالار مسعودؒ نے ملک نیک بخت کو حکم دیا کہ ان کو تعظیم کے ساتھ بٹھاؤ اور وہ چورہ جو بت کے ناک کان سے بنایا تھا، صندل و چونہ و پان میں ملا کر ان کے آگے بھیج دیا۔ کفار اس وقت بہت خوش ہوئے۔ صندل ملا پان کھایا۔ تھوڑی دیر کے بعد بت مانگا۔ سلطان الشہداء نے جواب دیا کہ میں نے بت تم کو دیدیا۔ وہ لوگ متحیر ہوئے کہ کہاں ہم نے بت پایا ملک نیک بخت نے واقعہ جو کچھ تھا وہ کہہ دیا صندل میں اور چونہ و پان میں تمہارا بت تھا۔ بعض کفار جنہوں نے پان کھایا تھا تعصب سے اپنے پیٹ کو مارا بعضوں نے قے کی اور بعض روتے پیٹتے ہوئے خواجہ حسن کے پاس گئے جو کچھ واقعہ ہوا وہ بیان کیا یہ سن کر خواجہ نے مثل سانپ کے بل کھایا اور کہا سلطان ہمارا دیوانہ ہو گیا جو کل کے لڑکوں کی رائے پر کام کرتا ہے محض تم لوگوں کی خاطر ہم سلطان کی نوکری چھوڑ دیتے ہیں۔ تم لوگ بھی جا کر سلطان کے ملک پر حملہ کرو تا کہ سلطان کی آنکھ کھل جائے، کفار اٹھے اور راجگان کے پاس چلے گئے۔ اس روز سے خواجہ حسن نے کام سے ہاتھ کھینچ لیا۔ بہت دل گرفتہ اور رنجیدہ تھا اور وزارت کے کام کو ہاتھ بھی نہ لگایا۔ اس کے بعد بت سومنات کے چار ٹکڑے کر دیے گئے۔

چنانچہ تاریخ فیروز شاہی کلاں کے مطابق سلطان دو واقعات کو بہت مقدم رکھتا تھا۔ ایک یہ کہ سرکشان ہند کے قلعوں کو بت خانوں سمیت تباہ و برباد کیا اور ملک ہند کا نظم و ضبط درست کیا اور سومنات کو لا کر چار ٹکڑے کر کے ایک جامع مسجد غزنی کی سیڑھیوں پر ڈالا گیا۔ دوسرا اپنے محل کے سامنے تیسرا مکہ المکرّمہ اور چوتھا مدینہ منورہ بھیج دیا گیا۔ دوسرے لشکر کشائی نہر والہ گجرات کی طرف، یہ دونوں محاذ تلاش اور مشورہ پہلوان لشکر اور سلطان الشہدا کی وجہ سے سر ہوئے۔ ہند کی فتح سالار ساہو اور سومنات کا بت ٹکڑے کرنا۔ محض مصلحت مسعودؒ ممکن ہوا۔ جیسا کہ ذکر ہوا۔ سلطان کے امرا میں سپہ سالار لشکر سالار ساہو پہلوانِ لشکر تھے اور اکثر بڑے بڑے امراء اور ترکان بہادر، پہلوانِ لشکر کے اقربا تھے جس طرف بھی سلطان لشکر کشی کرتا اور ملک گیری اور فتح پاتا وہ سب پہلوان لشکر اور اس کے اقربا کی محنت اور جانفشانی سے ہوا۔ جیسا کہ تاریخ محمودی میں مفصل عداوت سالار مسعودؒ و حسن میمندی اور دوسرے معاملات ہر قسم درج ہیں۔ اگر یہاں درج کیا جائے تو کتاب طویل ہو جائے گی، اس وجہ سے مختصراً پیش کیے اور یہ کچھ معاملات محمود و سالار ساہو اور سلطان الشہدا کی وجہ سے تحریر ہوئے کہ وہ ان واقعات میں شریک تھے۔ ورنہ اتنی طویل عبارت نہ لکھتا۔ واللہ عالم بالحقیقت والصواب

داستانِ سوّم:

سلطان محمود سے سلطان الشہدؒ کا رخصت ہونا۔ ہندوستان کی طرف رخ کرنا۔ ملتان آمد۔ دہلی پر قبضہ۔ دریا گنگا پار کر کے ستر کھ کے مقام پر رہائش رکھنا جہاں سے فوج کو اطراف میں بھیجنا۔

مختصراً یہ کہ خواجہ احمد حسن میمندی وزارت کے کاروبار سے کافی عرصہ سے واقف تھا۔ سرحدات کے اکثر سرکش (باغی) اس کے قول و قرار سے متفق تھے۔ اس کی کبیدگی اور دست کشی کی وجہ سے مملکت کے امور میں ہر طرف فساد کی بنیاد پڑ گئی۔ سلطان اس بات سے پریشان تھا اس نے وزیر کی ہر چند دلجوئی کی لیکن اس کی تسلی نہ ہوئی جس وقت وہ سالار مسعود کو مجلس میں دیکھتا اور سالار مسعود پر سلطان کرم کی نگاہ کرتے تو سانپ کی طرح پیچ و تاب کھاتا اور متغیر ہو جاتا تھا اور کہتا کہ سالار مسعود کو دیکھنے کی تاب نہیں۔ سلطان نے اس کی یہ حالت بھانپ کر ایک دن سالار مسعود کو خلوت میں بلا کر شفقت اور محبت سے فرمایا کہ حسن میمندی بدطینت ہے۔ اُس نے بے حد خجالت اٹھائی اس وجہ سے آپ سے دشمنی پیدا کر لی ہے آپ کو دیکھنا بھی نہیں چاہتا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کو بتدریج وزارت سے معزول کر کے امیر حسنک میکائیل کو متعین کروں اتنے عرصہ آپ کاہلر جا کر شکار کھیلیں اور والدین کی خدمت کریں۔ کچھ عرصہ بعد اس کو معزول کر کے ہم آپ کو بلا لیں گے۔ اور جتنی محبت میں تم سے کرتا ہوں اس کا اندازہ آپ کو ہے۔ سالار مسعودؒ نے سلطان محمود کا مطلب سمجھ لیا عرض کہ والدین کے پاس کیا کام ہے۔ اگر

حکمِ سلطانی ہوتو ہندوستان جا کر جہاد کروں اور اسلام کی اشاعت کروں تا کہ خطبہ میں آپ کا نام بھی پڑھا جائے۔ سلطان نے فرمایا کہ ہمیں تمہاری جدائی پسند نہیں اور اگر مجھ سے جدا ہوتے ہوتو کچھ عرصہ والدین کے پاس رہو ہم آپ کو جلد بلا لیں گے۔

دوسرے روز سالار مسعودؒ مسلح ہو کر اپنے لشکر کی روانگی کی تیاری کر کے سلطان سے رخصت کی اجازت طلب کرنے دربار آئے اور سلام و آداب کے بعد رخصت کی درخواست کی۔ سلطان محمود کو بہت حیرانگی ہوئی اور آپ سے بڑی مہربانی سے پیش آئے مگر غیرت حیدری سالار مسعود کے دماغ میں ایسی اثر پذیر تھی کہ وہ سلطان کی مہربانی خاطر میں نہ لائے اور رخصت پر ہی اصرار کیا اور سلطان محمود سے عرض کی کہ وہ کچھ عرصہ سیر کر کے سلطان کے پاس حاضر ہو جائیں گے اس کے بعد سلطان نے آپ کو خلعت خاص، پانچ عراقی گھوڑے اور دو ہاتھی مرحمت فرمائے اور رخصت فرمایا کہ اس محبوب رب العالمین کی جدائی سے حالت غیر ہو گئی۔ پھر پہلوان لشکر کو دستخط خاص سے فرمان تحریر کیا اور فرمایا مصلحتاً کچھ عرصہ کے لیے فرزند مسعودؒ کو آپ کے پاس بھیج رہا ہوں۔ بہت دلجوئی کریں اور اپنی نگاہ کے سامنے رکھیں۔ چندروز بعد ہی ان کو واپس بلا لوں گا۔ اس طرح سالار مسعودؒ دربار سلطان سے بپھرے ہوئے شیر کی طرح نکلے اور سوار ہو کر اسی دن شہر کے باہر اپنا قیام فرمایا۔ اس واقعہ سے تمام شہر اور لشکر میں شور مچ گیا کہ چونکہ سالار مسعودؒ نے دین محمد ﷺ کی خاطر بت سومنات کافروں کو نہ دیا اس سبب سے خواجہ احمد حسن میمندی نے ان پر قہر توڑا ہے اور وہ اس شہر سے نکل گئے ہیں۔ اس زمانے

کی مسلمانی ظاہر ہی ہے اس پر اکثر خلائق شہر ومضافات آپ کے پاس آ گئے جن میں امرا ملوک اور ترک بہادر جو سلطان الشہدؒ کے چاہنے والے تھے، آپ کے ساتھ ہو گئے سب نے ان کی ہمراہی اختیار کر لی اور لشکر سے نکل آئے اور سالار مسعود کا جمال جہاں آراہی ان لوگوں کی زندگی تھی۔ عاشق کو ممکن نہیں کہ وصالِ محبوب کے علاوہ کوئی مصلحت رکھے۔ سب بے اختیار اس محبوب رب العالمین سے پیوست ہو گئے۔ سلطان الشہدؒ متواتر سفر کرتے مشرق کی طرف روانہ ہو گئے۔ تاریخ محمودی میں اس لشکر کی تعداد گیارہ ہزار (1) لکھی ہے۔ سب نے اپنا وطن غزنی اپنے بال بچے اور اقبرا چھوڑے اور سالار مسعودؒ کے جمال یوسفؑ کے پروانے بن گئے۔ اس موقع پر کسی بزرگ نے اس شعر کے ذریعے کیا منظر کشائی کی ہے۔

اندر طلب دوست چو مردانہ شدم
اول قدم از وجود بیگانہ شدم
او علم نمی شنید لب بر بستم
او عقل نمی خرید دیوانہ شدم

حقیقت یہ ہے کہ عشق اور جہاد کے معاملہ میں دیوانگی ہی عین عقل ہے القصہ جب یہ خبر پہلوانِ لشکر کو پہنچی تو سالار ساہو مع ستر معلیٰ فرط محبت سے کاہلر کے باہر

(1) ایلیٹ نے یہاں گیارہ لاکھ تعداد لکھی ہے جو غلط ہے اس وقت اتنی تعداد کا لشکر ناممکنات سے ہے، اسی طرح سالار ساہو کی اجمیر کے لیے روانگی کے وقت سات ہزار کے لشکر کو سات لاکھ لکھ دیا اور اسی کی بنیاد پر ایک تاریخی حقیقت کو افسانہ قرار دے ڈالا۔

سالار مسعودؒ کی لشکر گاہ پر آ گئے ملاقات کے بعد والدین نے بہت ہی گریہ زاری کی مگر سالار مسعودؒ کو ذرا بھی قبول نہ ہوا۔ یعنی سالار مسعودؒ نے منظور نہ کیا۔ اس پر سالار ساہو نے فرمایا کہ ہم کس کے لیے یہاں رہیں پھر ہم بھی ہند میں تمہارے ساتھ جاتے ہیں تو سالار مسعودؒ نے عرض کی کہ اگر آپ بھی میرے ہمراہ گئے تو حسن میمندی سلطان سے کہے گا کہ دیکھو وہ باغی ہو گئے ہیں۔ اس وقت آپ ہمارے ہمراہ نہ جائیں میں (سلطان) سے بھی وعدہ کر آیا ہوں اور آپ سے بھی التماس کرتا ہوں کہ ایک سال بعد سیر کر کے واپس لوٹ آؤں گا۔ مجبوراً قبول کیا۔ سالار ساہو مصلحتاً رک گئے (یعنی کاہلر میں ہی رہنا منظور کیا) اور آزمودہ شجاعت والے ساتھی جس میں ترک بہادر شامل تھے اور اکثر سلطان الشہدؒ کے ہم عمر اور ہم صحبت تھے سالار مسعودؒ کے ہمراہ کیے۔ نیز جنگی گھوڑے، خزانہ اور سب قسم کے اسباب سفر سالار مسعودؒ کو دیئے پہلوان لشکر اور ستر معلیٰ روتے ہوئے اور جگر سوختہ دیوانہ وار کاہلر تشریف لے گئے۔ سالار ساہو اپنی حالت (پر قابو پا کر) اظہار نہ کرتے مگر ستر معلیٰ غلبہ فراق میں کسی کو نہ پہنچانتی تھیں یہاں تک کہ جو شخص سامنے آتا اسے مسعود مسعود کہہ کر پکارتیں۔

در و دیوارِ بمن آئینہ شداز کثرتِ شوق
ہر کجا می نگرم روی ترامی بینم

(میرے شوق کی زیادتی سے درو دیوار آئینہ بن گئے ہیں جہاں بھی نظر کروں تجھے ہی دیکھوں)

کثرت گریہ وزاری سے بینائی بھی جاتی رہی بیٹے کے عشق میں یعقوبؑ ثانی ہوگئی تھیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے سلطان الشہدؒ کو اپنے مشاہدہ جمال سے ایسا مستغنی کر

دیا تھا کہ کون و مکان کی پرواہ نہ رہی تھی۔ (انہیں جو بھی الہام کرتے وہی عمل میں لاتے) چنانچہ قصہ یوسفؑ و زلیخا ان کا دل کباب کرتے تھے اور ان کو غلبہ شوق الٰہی سے کسی بھی چیز کی خبر نہ تھی۔ سلطان الشہداؒ جو صورتاً و معناً یوسفؑ ثانی تھے حسب حدیث نبوی ﷺ "علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل" ایسے ہی علماء حقیقی کی شان میں وارد ہے ظاہراً بادشاہ خلق لیکن باطن میں جام مشاہدہ الٰہی میں سرشار۔ ظاہر میں ہزاروں خدمت گار، باطن میں فرشتے فرماں بردار، ظاہراً خلق میں مشغول الکلام، باطن میں گوش دل متوجہ بسوئے الہام۔ ظاہر میں احکام شریعت سے آراستہ باطن میں شراب وحدت سے مخمور، ما و من سے دور، ظاہر میں مظہر جلال سے احتراز اور باطن میں در عالم صلح با جلال و جمال ہمراز کہ حق سبحان تعالیٰ نے سلطان الشہدا کو جمیع اوصاف ظاہر و باطن سے آراستہ کیا تھا۔ اور اسی قسم کے محرمِ اسرار جوانوں کو خلیفہ الٰہی کہا جا سکتا ہے۔ مسعود بک نے شاید یہ شعر انہی کی شان میں کہا ہے۔

رفتہ ز مسعود بک جملہ صفات بشر
چونکہ ہمان ذات بوّد باز ہمان ذات شد

سلطان الشہداء منزل بہ منزل ہندوستان کی طرف لشکر کے ہمراہ گامزن رہے۔ ایک دن چند مصاحب و میر شکار کے ہمراہ فوج سے جدا ہو کر شکار کے لیے تشریف لے گئے اور باز کو شکار کے لیے چھوڑا تو باز بدخوئی کرتے ہوئے ایک درخت پر جا بیٹھا تو سالار مسعودؒ درخت کی طرف متوجہ ہوئے درخت کے نیچے پہنچ کر اپنے گھوڑے سے اترے اور میر شکار کو کہا کہ باز کو ہاتھ میں واپس لائیں خود

آپ ایک ساعت کے لیے درخت کے نیچے مراقبہ میں مشغول ہو گئے۔ بعد میں آنکھیں کھولیں اور دائیں بائیں نگاہ کر کے فرمایا کہ بیل دار اس درخت کو جڑ سے کھود ڈالیں درخت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور پھر کہا کہ جڑ کی جگہ کو مزید گہرا کھودو۔ جب گڑھا کنویں کی مانند کھد گیا تو کیا دیکھتے ہیں کہ اس میں خزانہ بے بہا دبا ہوا ہے۔ آپ نے حکم دیا کہ خزانہ باہر نکالو تو خزانہ بہت بڑا تھا۔ اور سونے کے چند تودے بن گئے۔ سبحان اللہ۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ اس طرح کا ظاہری و باطنی تصرف عطا کرے اس کو کیا پڑی ہے کہ سلطان محمود کی مملکت پر نظر رکھے۔ سلطان الشہداؒ کی اس کرامت سے لشکر کو بے حد تقویت ہوئی۔ حقیقت یہ کہ اس قوم کو کیا غم کہ ان جیسے شاہباز کے ہمراہ قیام رکھے۔ ایک بزرگ نے کیا خوب کہا ہے۔

چہ غم دیوار امت را کہ دارد چون تو پشتیبان
چہ باک از موج آن دارد کہ باشد نوح کشتیبان

مختصر یہ کہ چند روز اس جگہ قیام فرمایا۔ ارکان دولت کو حکم دیا کہ اس خزانہ خدا سے پیشگی نو ماہ کی تنخواہ قدیم ساتھیوں کو اور چھ ماہ کی تنخواہ باقی تمام لشکر میں تقسیم کی جائے۔ سالار مسعود غازی نے یہ بھی حکم دیا کہ نئی فوج بھرتی کی جائے اور انہیں چار ماہ کی پیشگی تنخواہ دی جائے۔ اس طرح کئی ہزار نئے فوجی بھرتی ہوئے۔ جیسا کہ حکم ہوا تھا یہ تنخواہ نئے اور پرانے فوجیوں میں بانٹ دی گئی پھر بھی خزانہ کے تودے اسی طرح بچ گئے جیسے پہلے تھے (یعنی برکت ہوئی) خزانہ اپنے ہمراہ لے کر ملک نیک بخت کو حکم فرمایا کہ اس خزانہ سے ان کے باورچی خانہ میں خرچ نہ کیا جائے۔

سالار مسعودؒ کا یہ معمول تھا کہ کوئی بھی اُن سے ملتا تو وہ اس کو انعام دیتے وہ لباس فاخرہ (یعنی سر سے پاؤں تک کا لباس) یا نقد پیسے یا گھوڑا عنائت فرماتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر خاص عنائت فرمائی تھی اور آپ محمد ﷺ کے طریقے پر چلتے تھے۔ جب آپ اپنی سواری پر ہوتے تو آپ کی عادت یہ تھی کہ جو بھی آپ سے بات کرنا چاہے وہ آپ کی خیریت دریافت کرتا یا کسی خاص چیز کی چاہت کرتا یا کوئی بھی بات کرتا اپ اس کو ضرور کچھ نہ کچھ عنایت فرماتے خواہ یہ عنایت حیثیت کے مطابق ہوتی یا جو وہ خواہش کرتا۔ آپ کے لشکر کے سب فوجیوں کی خداوند عالم تک رسائی تھی اور آپ کی ظاہری اور باطنی صلاحیتوں سے مستفید ہوتے۔ آپ کے محافظ آپ کے ساتھ ہی کھانا تناول کرتے۔ کچھ کامل درویش اور باعمل علما جو کہ آپ کی فوج میں آپ محبوب رب العالمین کی وجہ سے تھے آپ روزانہ کھانے کے وقت ان کو طلب فرماتے اور اپنے قریب جگہ عنایت فرماتے اور کھانے کے بعد ان سے مذہب کی حقیقت' سوالات اور حقیقتوں کے متعلق' واحدانیت پر گفتگو فرماتے۔ اور نماز عشاء کے بعد اپنے خیمہ میں تشریف لے جاتے۔ اور تمام افراد چلے جاتے لیکن مخصوص خدمت انجام دینے والے میاں ابراہیم جن کا مقبرہ کنتور میں واقع ہے، وضو کا پانی پردے کے پیچھے رکھتے۔ اس وقت کسی کی بھی جرت نہ ہوتی کہ وہ پردے کی طرف جائے۔

تمام رات محبوب حقیقی سے خلوت میں رہتے اور اگر کوئی مصاحب ضرورتاً اس وقت میں مخل ہوتا تو غلبہ سکرُ مشاہدہ الٰہی میں استغراق کی وجہ سے نہ پہنچانتے اور مُخل ہونے والا خطرہ محسوس کرتا سبحان اللہ حق تعالیٰ سے عجیب ذوق وخلوت

باحق رکھتے تھے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے۔

لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل

(میرا اللہ کے ساتھ ایک وقت ہے جس میں نہ کوئی مقرب فرشتہ اور نہ کوئی نبی و رسول مخل ہوتا ہے)

سلطان الشہدؒ بھی قرب الٰہی میں جہاد اکبر اور جہاد اصغر میں جناب رسول اللہ ﷺ کے پیروکار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے سلطان الشہدؒ کو عجب استغنا دیا ہوا تھا کہ اگر کوئی مصاحب کہتا کہ بارہ ہزار سوار رکھنے والا (شخص) بادشاہی اور خطبہ کا مستحق ہوتا ہے۔ آپ اس سے بھی زیادہ رکھتے ہیں۔ بہتر ہو کہ آپ تخت سلطنت پر رونق افروز ہوں (لیکن یہ بات) ہرگز قبول نہ ہوتی اور فرماتے کہ تختِ سلطنت سلطان محمود کو مبارک ہو میں بادشاہی کرنے کے لیے نہیں آیا ہوں۔ صرف محبت الٰہی اور دین محمدی ﷺ کی حمایت کے لیے دنیا میں آیا ہوں کہ ہندوستان کے مشرکوں کو اللہ کی وحدانیت کی طرف دعوت دوں اور اللہ تعالیٰ کے عشق میں اپنی جان سے گزر جاؤں اور اس دنیا کی سرگردانی سے رہائی پاؤں۔ میرا مطلوب دنیا کی بادشاہی نہیں ہے۔ ہمارا مقصود تو دنیا کے بادشاہوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ جس نے کون و مکان کے پیدا کرنے والے کو پالیا اس نے دنیا کی بادشاہی سے منہ موڑ لیا۔

مئے صرف وحدت کسی نوش کرد
کہ دنیا و عقبیٰ فراموش کرد

(جس نے شراب وحدت پی لی ہے اس نے دنیا اور آخرت کو بھلا دیا ہے)

القصہ سلطان الشہدؒ شوکت و حشمت ظاہر و باطن کے ساتھ دریائے سندھ کے کنارے پہنچے اور دریا پار کرنے کے لیے کشتیوں کے بندوبست کا حکم دیا۔ جن

کا بندوبست ہو گیا۔ پھر امیر حسن عرب اور بایزید جعفر کو حکم دیا کہ دونوں پانچ ہزار سواروں کے ساتھ دریا سندھ عبور کر کے ستی پور (1) پر حملہ کریں۔ ایسا ہی کیا گیا راے ارجن زمین دار ستی پور پہلے ہی اپنا گھر چھوڑ کر جنگل کے طرف چلا گیا تھا۔ اس کے مکان کی کھدائی کرنے پر وہاں سے سونے کے پانچ لاکھ ٹنکہ کے علاوہ کافی چیزیں ملیں۔ دونوں امیر سلطان الشہدؒ کی خدمت میں پہنچے تو حکم ہوا کہ یہ آپ کی پہلی فتح ہے اور تمام مال غنیمت ان دونوں کو عطا کیا پھر آپ نے دریا سندھ عبور کیا اراس کے دوسری جانب کچھ دن آرام فرمایا۔ یہاں شکارگاہ بہت اچھی تھی خود شکار کرتے رہے۔ ترکان بہادر بھی اطراف میں تاخت وتاراج کرتے رہے۔

ایک دن مجلس جشن ہوئی جس میں صرفِ کثیر سے ہر قسم کے کھانے تھے آپ نے مجلس کے ہر فرد کو بخشیش سے نوازا۔ اور پھر فرمایا کہ الحمد اللہ یہ ملک حسن میمندی کی نوک قلم کے حکم میں نہیں ہے میں جہاں چاہوں رہوں مزید فرمایا کہ بندہ کے

---

(1) ست پور یا سیت پور، اس مقام کا ذکر میجر راورٹی کی کتاب نوٹس آن افغانستان اور بلوچستان کے صفحہ نمبر 593 اور 664 پر ملتا ہے جبکہ انگریزی میں Sitpur لکھا ہے۔ صفحہ نمبر 664 پر ڈیرہ غازی خان سے اوچھ شریف کے پرانے زمانہ کے روٹ یا راستہ پر ستپور واقع ہے۔ اسی کتاب کے صفحہ نمبر 593 کے فوٹ نوٹ میں تحریر ہے کہ ''ستپور ضلع دوآب بیرون پنجند کے سترہ محل میں سے ایک محل تھا'' اور یہ ملتان صوبہ میں واقع تھا۔ اس ستپور کا ذکر ابوالفضل نے آئین اکبری میں بھی کیا ہے۔ ایلیٹ کی کتاب The History of India as Told by its own Historians کی جلد دوم کے صفحہ 529 پر اس جگہ کا نام Sahur لکھا ہے اور فوٹ نوٹ میں Shore لکھا ہے۔ جو کہ بغیر تحقیق کے غلط ہے عبدالرحمٰن چشتی نے افسانہ نہیں لکھا ہے بلکہ اس زمانہ میں بھی کم وسائل کے باوجود صحیح نام درج کیا، ہاں انگریز نے یا تو انجانے میں غلط لکھا گیا یا پھر جان بوجھ کر اسلامی تاریخ کو مسخ کیا جو ہر صورت میں غلط ہے۔ (گلزاری)

لیے بندگی حق کافی ہے جہاں چاہے گھوموں، یہ صحیح نہیں ہے کہ بندہ خدا کا ہو اور مخلوق کا محتاج ہو جائے یہ بات میری تجربہ شدہ ہے کہ جب تک بندہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی اطاعت سے باہر نہ آئے گا ہرگز مشاہدہ حق نہ ہو گا کیونکہ یہ کام دل جمعی کے بغیر نہیں ہے اور جب تک غیر کا محتاج رہے گا دلجمعی حاصل نہ ہوگی۔ وہ حقیقت خدا کو نہ جان سکے گا۔ انسان کا دل خدا کے طرف متوجہ ہو۔ جب تک بندہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے طابع رہے گا تو آپ لوگ جانتے ہیں کہ اس کے دل کی توجہ کدھر ہو گی۔

مختصراً یہ کہ سلطان الشہدؒ نے اس جگہ سے خطہ ملتان کی طرف کوچ کیا۔ ان دنوں ملتان ویران تھا کیونکہ سلطان محمود کی فوج نے دوسری مرتبہ ملتان کو تاراج کیا ہوا تھا۔ اور اس وقت تک آبادی کم تھی۔ رائے انکپال زمیندار ملتان سے اوچھ میں چلا گیا تھا۔ اس نے اپنا ایک قاصد سلطان الشہدؒ کی خدمت میں روانہ کیا اور کہا کہ کیا یہ مناسب ہے کہ آپ کسی بیگانہ زمین پر دوڑے آتے ہیں ایسا نہ ہو کہ کپڑے بھی بھاری ہو جائیں اور آپ کو یہاں سے واپس جانا پڑے۔ سلطان الشہدؒ نے کہا کہ ملک خدا کا ہے کسی بندے کا نہیں۔ جس کسی کو خدا دیتا ہے اسی کے تصرف میں آتا ہے۔ ہمارے خاندان کے اجداد نے یہ اصول حضرت اسد اللہ الغالب علیؓ ابن طالب سے اب تک ہے کہ وہ کافروں کی تبلیغ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور شریعت محمدیؐ کی ترغیب دیتے ہیں اگر وہ ایمان لائے تو ٹھیک ورنہ تہ تیغ کر دیتے ہیں۔ یہ کہہ کر قاصد کو خلعت (کپڑے) دے کر رخصت کر دیا۔ پھر فرمایا کہ میں بھی تمہارے پیچھے آتا ہوں موجود رہنا قاصد کے روانہ ہونے کے بعد۔ امیر حسن عرب، امیر بایزید جعفر، امیر ترکان، امیر تقی، امیر فیروز عمر اور ملک امجد کو فوج کا امیر نامزد کر

کے رائے انکپال پر حملہ کرنے روانہ فرمایا۔

رائے انکپال جمعیت کے ساتھ خود مسلح ہو کر مقابلہ پر آیا اور شہر سے باہر آنے پر فریقین کے درمیان عظیم جنگ شروع ہو گئی۔ بہادر ترکوں نے جام شہادت نوش کیا۔ ایک کثیر تعداد کافروں کی جنگ میں کام آئی۔ رائے انکپال نے مجبوراً پسپائی اختیار کی۔ لشکر اسلام، شہر میں داخل ہو گیا اور شہر کو تاراج کیا۔ بہت سے اموال اور اسباب ہاتھ آئے۔ یہ سب کچھ سلطان الشہدؒ کو پیش کر دیا گیا۔ سلطان الشہدؒ نے تمام چھ امیروں کو لباس فاخرہ اور ایک ایک گھوڑا عنائت فرمایا۔

کیونکہ بارشوں کا موسم شروع ہو گیا تھا لہٰذا لشکر اسلام نے چار ماہ ملتان میں قیام فرمایا۔ موسم برسات کے بعد آپ اجودہن (1) کی طرف متوجہ ہوئے۔ ان دنوں اجودہن (موجودہ پاک پتن۔گلزاری) اور اس کے آس پاس کا علاقہ بہت آباد تھا۔ یہ علاقہ کسی مدافعت کے بغیر قبضہ میں آیا سلطان الشہدؒ کو اجودہن کی آب و ہوا خوب پسند آئی نیز یہاں شکار گاہ بھی بہت اچھی تھی لہٰذا آپ کافی عرصہ تک یہاں تشریف فرما رہے یہاں تک کہ دوسری برسات آ گئی۔ آپ یہاں ہی رہے۔ موسم برسات کے بعد آپ دہلی کی جانب متوجہ ہوئے۔ ان دنوں دہلی کا

---

(1) اجودہن موجودہ پاک پتن کا پرانا نام ہے۔ پاک پتن سے دیپالپور تقریباً ۴ کلومیٹر کا فاصلہ ہے۔ تحصیل دیپالپور ضلع اوکاڑہ کے موضع بھائی کے لال چند نزد جھجھ کلاں میں جھجھ برادری کے بارہ شہداء کی یادگار ہے جو سالار مسعود کے لشکر کے ساتھ افغانستان سے آئے اور یہاں کفار سے جنگ میں جام شہادت نوش فرمایا۔ دربار عالیہ خواجہ عبدالحلیم چشتی مسعودی بھی قریب ہی بمقام پھلروان وزیر کے میں واقع ہے اور کتبہ پر اب بھی مسعودی تحریر ہے جس کی نسبت سالار مسعود کے نام سے ہے۔ یہ مدنی انصاری بزرگ جھجھ قوم کے امیر تھے اور انہوں نے ہی جھجھ قبیلہ کو جہاد کا حکم دیا تھا۔ مقامی روایت ہے کہ جھجھ دانتری تے دھول گھاہ۔ وڈی جاتے وڈی جا۔ اس طرح جھجھ قبیلہ کی تاریخ سالار مسعود سے ثابت ہوتی ہے اور آپ کا اجودہن میں قیام پذیر ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔

راجہ مہیپال تھا وہ بڑا مغرور، بڑی فوج کا مالک اور بہت سے فوجی ہاتھیوں کا مالک تھا۔ اس سے پہلے سلطان محمود اور سالار ساہو کے ہمراہ لاہور تک آ چکے تھے اور لاہور فتح کیا اور اسے دار السلام بنایا لیکن دہلی پر اس وقت لشکر کشائی نہ کی تھی۔ تغافل کر کے لوٹ گئے تھے۔

مختصراً سلطان الشہدا متواتر کوچ کرتے ہوئے دہلی کے قریب پہنچ گئے۔ رائے میہپال اپنی فوج کے ساتھ پہلے ہی مقابلہ کے لیے آن پہنچا۔ دونوں فوجیں کچھ فاصلہ پر آمنے سامنے خیمہ زن ہو گئیں۔ دونوں طرف کے نوجوان صبح سے شام تک روزانہ ایک ماہ اور کچھ دن تک جنگ کرتے رہے۔ سالار مسعود کافی حیران ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے مدد کرنے کی دعا مانگی۔ اچانک اطلاع آئی کہ سلطان سُلاطین ملک محی بختیار، سالار سیف الدین، میر سید عز الدین، ملک دولت شاہ اور میاں رجب پانچوں امیر کافی فوج کے ہمراہ غزنی کی طرف سے آ رہے ہیں۔ جب یہ لوگ سالار مسعود کی خدمت میں پہنچے تو تمام فوج کے حوصلے بلند ہو گئے اور سب کو بہت خوشی ہوئی۔ یہ سب لوگ خواجہ احمد حسن میمندی کی وجہ سے غزنی چھوڑنے پر مجبور ہوئے سالار سیف الدین، سلطان الشہداءؒ کے چھوٹے چچا تھے۔ ملک محی بختیار اور سید عز الدین پہلے سلطان الشہدا کے ساتھی رہے تھے اور ان کے قریبی رشتہ دار بھی تھے۔ ملک دولت شاہ، سلطان محمود کے غلام تھے اور میاں رجب(1)، سالار ساہو کے موالی (نگہبان) رہے۔ اور سالار ساہو ان پر بہت اعتماد کرتے تھے اور یہ درشت طبیعت کے مالک تھے لہٰذا انہوں نے میاں رجب کو سالار مسعود کو بخش دیا۔ اور سالار مسعود نے ان کو اپنی جاگیر کی نگرانی پر لگایا۔لیکن

(1) میاں رجبؒ، سالار ساہو کے موالی یعنی نگہبان رہے ہیں۔ یہاں نسخہ ہٹیلہ کی نفی ہوتی ہے کہ آپ سالار مسعودؒ کے بھانجے تھے۔

جب سلطان الشہدؒ ہند کی طرف آ گئے تو خواجہ حسن نے سلطان محمود کو بتائے بغیر یہ جاگیر ان سے لے لی اور یہی وجہ بنی کہ میاں رجبؒ وہاں سے سلطان الشہدؒ کی خدمت میں ہند آ گئے۔ چونکہ یہ قابل اعتماد آدمی تھے لہٰذا ان کو فوج کا کوتوال مقرر کر دیا گیا۔ خواجہ حسن، سالار مسعود کے اقربا سے سخت عناد رکھتا تھا اسی باعث یہ سب لوگ جدا ہو گئے۔ سلطان محمود بوڑھے ہو گئے تھے ان کے شب و روز ملک ایاز کی میت میں گذرتے اور امور سلطنت سے دور ہو گئے تھے اور حسن میمندی نے تمام لوگوں کو ناراض کر لیا لیکن تاریخ روضۃ الصفا میں تحریر ہے کہ آخر سلطان محمود نے ناراض ہو کر خواجہ حسن میمندی کو معزول کر کے میر حسنک میکائیل کو وزات کے عہدہ پر متعین کر دیا اور حسن میمندی کو ہند کے ایک قلعہ میں قید کر دیا۔ خواجہ احمد حسن میمندی قید کے دوران ہی انتقال کر گیا۔ میرا پکا اعتقاد ہے کہ کوئی بھی آدمی جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد میں سے کسی کو خواہ مخواہ تنگ کرے، وہ ہلاک ہو گا۔

رائے مہیپال نئے لشکر کی آمد سے فکر مند ہو گیا۔ چالیسویں دن دونوں طرف کی فوجیں آراستہ ہو کر جنگ میں مشغول رہیں۔ سلطان الشہدؒ، شرف الملک کے ساتھ باتوں میں مصروف تھے کہ مہیپال کے بیٹے گوپال نے ان کی طرف گھوڑا دوڑایا اور گرز سلطان الشہدؒ پر پھینکا۔ ان کی ناک مبارک پر زخم آ گیا اور آپ کے دو دانت بھی مجروح ہو گئے۔ شرف الملک نے تلوار لہرا کر گوپال پر اس طرح ماری کہ اسی لمحے دوزخ جا پہنچا۔ سلطان الشہدؒ نے ناک کے زخم پر رومال باندھا اور پھر جنگ میں مشغول ہو گئے۔ سالار مسعود کی شجاعت اور جوانمردی پر آفرین کہ ذرا بھی زخم کو خاطر میں نہ لائے اور نماز شام تک جنگ کرتے رہے اور رات تک میدان میں کھڑے تھے۔ کچھ نوجوان ترکان کو بھی شہادت نصیب ہوئی اور بے شمار کفار قتل و ہلاک ہوئے۔ صبح کے وقت پھر طبل جنگ بجا اور فوجیں میدان میں

آ گئیں۔ میر سید عزالدین جو فوج کے ہراول دستے میں تھے اچانک ایک تیران کے گلوئے مبارک میں آ لگا اور وہ شہادت کے مرتبہ پر فائز ہو گئے۔ سلطان الشہدؒ میر مذکور کی شہادت پر بیقرار ہو گئے۔ خود گھوڑا دوڑا دیا۔ اور ہر طرف سے امیروں اور جانبار ترکان، پروانوں کی طرح جھپٹ پڑے۔ کفار کو مقابلہ کی طاقت نہ رہی اور شکست کھا گئے رائے مہیپال اور رائے سریپال چند دوسرے لوگوں کے ہمراہ میدان میں کھڑے رہے۔ کچھ لوگوں نے انہیں کہا کہ اگر زندگی ہے تو پھر جنگ کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ ہم میدان چھوڑ کر کدھر جائیں۔ الغرض دونوں راجے میدان میں مارے گئے اور عظیم فتح حاصل ہوئی۔ اس دن دہلی کا تخت ہاتھ لگا۔ لیکن سلطان الشہدؒ اس تخت پر نہ بیٹھے فرمایا کہ یہ جہاد تخت کے لیے نہیں کر رہا ہوں۔ ہمارا خدا تعالیٰ کے ساتھ ایک راز ہے جو وہ جانتا ہے۔ میر سید عزالدین کو دہلی میں دفن کیا اور عالیشان روضہ بنوایا کچھ لوگ برائے خدمتِ جاروب کشی و چراغ مقرر فرمائے۔ امیر بایزید جعفر کو تین ہزار خاص سواروں کے ساتھ دہلی پر مقرر کیا اور حکم فرمایا کہ پانچ چھ ہزار لوگ اس جگہ سے نئے بھرتی کر لیں اور کمال مہربانی سے فرمایا کہ دھلی کی غم خواری آپ سے تعلق رکھتی ہے (یعنی آپ کے ذمہ ہے) خیال رکھیئے کہ خلقِ خدا کو تکلیف نہ پہنچے۔ چھ ماہ اور سولہ دن کے بعد دھلی سے میرٹھ کی طرف لشکر کشی کی۔ راجگانِ میرٹھ نے پہلے سے سن رکھا تھا کہ سالار مسعود سے کوئی فتح یاب نہیں ہو سکتا۔ جس طرف بھی وہ یا ان کے ملازم توجہ کرتے ہیں، فتح کر لیتے ہیں۔ انہوں نے خوف زدہ ہو کر اپنے قاصد مع سوغات سلطان الشہدؒ کی خدمت میں بھیجے کہ یہ ملک آپ کا ہے اور ہم آپ کے خادم۔ آپ کی اطاعت و خدمت قبول کرتے ہیں۔ سلطان الشہدؒ ان کی تواضع سے خوش ہوئے۔ میرٹھ کا ملک ان کو عطا کر دیا اور خود شان و شوکت کے ساتھ قنوج کی طرف چلے

گئے ، کیونکہ رائے جے پال زمیندار قنوج کو سلطان محمود نے جلا وطن کر دیا تھا اور سالار ساہو نے سلطان کی خدمت میں اس کی معافی کروائی اور اس کو وہاں آباد کیا تھا۔ اس احسان کے بدلے میں اپنا سفیر سوغات کے ساتھ سلطان الشہدؒ کی خدمت میں بھیجا۔ جب سلطان الشہدؒ قنوج کے قریب پہنچے تو گنگا کے کنارے دیکھا کہ رائے جے پال نے اپنے بڑے بیٹے کو میزبانی کی پیشکش کے ساتھ ان کی خدمت میں بھیجا ہوا ہے۔ سلطان الشہدؒ بہت مہربانی سے پیش آئے اور صرف اس کی دل جوئی کے لیے دعوت قبول فرمائی اور جے پال کے بیٹے کو لباس فاخرہ اور گھوڑا عنایت کر کے رخصت فرمایا اور کہا کہ دریائے گنگا کو عبور کرنے کے لیے کشتیوں کا بندوست کیا جائے انہوں نے کشتیوں کا بندوبست کر کے آپ کو آگاہ کیا۔ لشکر کو حکم دیا کہ گنگا کو پار کر کے قیام گاہ بنائی جائے۔ یونہی کیا گیا۔ بعد میں خود بھی دریا گنگا پار کر گئے۔ اس وقت راجہ جے پال نے دس گھوڑے لا کر پیش کئے اور آداب بجا لایا۔ سلطان الشہدؒ رائے جے پال سے بغلگیر ہوئے اور اپنے قریب جگہ دی اور بہت تسلی دی اور خاص خلعت اور دس گھوڑے عطا کر کے رخصت کیا اور فرمایا کہ رابطہ بحال رکھیں اور غلہ ہمارے لشکر کو برابر پہنچاتے رہیں اس کے بعد کوچ کر کے سترکھ کی طرف متوجہ ہوئے اور دس دن میں سترکھ پہنچے۔ ان دنوں میں کوئی شہر یا علاقہ سترکھ سے زیادہ آباد نہ تھا اور شکار گاہ بھی خوب تھی۔ یہ جگہ ہندوستان کی ناف ہے اور یہاں کفار کا معتبر عبادت خانہ تھا۔ اسی وجہ سے سلطان الشہدؒ نے سترکھ میں اقامت رکھی اور افواج کو اطراف و جوانب میں متعین فرمایا۔ سالار سیف الدین اور میاں رجب کو بھڑائچ کی طرف رخصت کیا۔ اور میاں رجب کے بیٹے کو باپ کی جگہ کوتوال لشکر مقرر کیا حالانکہ چھوٹی عمر کا تھا۔ لیکن شعور اور غیرت کافی تھی۔ سالار سیف الدین اور میاں رجب نے بھڑائچ پہنچ کر عرض

گذاری کہ اس جگہ غلہ کی قلت ہے ایسا نہ ہو کہ قلتِ خوراک سے لشکر ہلاک ہو جائے۔ سلطان الشہدؒ نے نواحی پرگنوں کے چوہدریوں اور مقدموں کا بلایا۔ سات آٹھ پرگنوں کے چوہدری معہ مقدم حاضر کئے گئے۔ سدہورا کا تاش نام کا چوہدری اور امیٹھی کا ہرنام چوہدری پیش پیش تھے انہیں بہت تسلی دی اور فرمایا کہ زراعت سے کوتاہی نہ کریں کہ تمہاری اور رعایا کی بہبودی اسی میں ہے اور یہ بھی فرمایا کہ رقم ہم سے لے لو اور غلہ دے دو۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم پہلے غلہ لے آتے ہیں بعد میں پیسے لے لیں گے حکم فرمایا کہ پہلے رقم لے لو۔ الغرض نقد روپیہ چوہدریوں اور مقدموں کے حوالے کیا۔ اور ہر ایک کو کپڑے کے تھان عطا فرمائے اور لوگ ساتھ کئے کہ جلدی غلہ لے آئیں۔ اور ملک فیروز عمر کو رخصت کیا کہ ان کے سر پر رہے کہ جو بھی غلہ کی جنس آئے سالار سیف الدین کی خدمت میں بھڑائچ پہنچایا جائے۔ اس کے بعد سلطانِ السلاطین محی بختیار کو فردوست (موجوہ کانپور) کی طرف متعین فرمایا اور کہا کہ آپ کو خداؑ کے سپرد کرتا ہوں۔ جہاں جائیں پہلے سلوک سے پیش آئیں اگر کفار دینِ محمدی ﷺ قبول کریں یا آپ سے امن و آشتی سے پیش آئیں تو بہتر ہے آپ بھی شفقت فرمائیں اور اگر نہ مانیں تو تہِ تیغ کریں پھر محی بختیار سے بغل گیر ہوئے اور کہا کہ آج کی یہ ملاقات ہے بعد کا معلوم نہیں کہ ہو یا نہ ہو۔ان پر درد کلمات سے دونوں بھائیوں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اور دیر تک اسی حالت میں رہے۔ محی بختیار رخصت ہو گئے۔ راہِ حق میں عجب وقت اور عجیب صحبت اور عجیب استواری تھی۔ کہ محض اللہ کی وحدانیت کے اظہار کے لیے اپنے آپ کو کفار کے سامنے ڈال رہے تھے۔ کہتے ہیں کہ محی بختیار، ملک فردوست کے اکثر حصہ پر متصرف ہو گئے تھے اور کانور تک چلے گئے تھے جہاں انہوں نے شربت شہادت نوش فرمایا۔ ان کا مزار کانور میں مشہور ہے۔اس

کے بعد امیر حسن عرب کو مہوبہ کی طرف متعین فرمایا اور میر سید عز الدین کہ اب لال پیر کے نام سے مشہور ہیں کو گوپامئو اور اس کے نواح کے لیے رخصت فرمایا اور ملک فیصل کو بنارس اور اس کے نواح میں مامور فرمایا۔ ہر ایک کو مذکورہ بالا طریقہ سے نصیحت فرمائی اور خود شان وشوکت سے سترکھ کے نواح میں شکار کھیلتے رہے۔

ایک دن راجگانِ کٹرہ و مانکپورہ(1) کے سفیر دو زین اور چند لگام کی سوغات لے کر سلطان الشہیدؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مذکورہ راجگان کی طرف سے یہ پیغام لائے کہ یہ ملک پرانے وقتوں سے ہمارے آبا واجداد کا ہے اور اس ملک میں کوئی مسلمان کبھی نہیں آیا۔ ہماری تاریخ میں مذکور ہے کہ سلطان سکندر ذوالقرنین نے اس ملک کی طرف رخ کیا تھا اور قنوج تک آیا تھا اور رائے کید کے ساتھ صلح کر کے لوٹ گیا تھا۔ لیکن دریائے گنگا کو پار نہ کر سکا تھا۔ اور سلطان محمود غزنوی اور آپ کے والد بھی اجمیر، قنوج اور گجرات آئے مگر اس طرف کو معاف ہی رکھا آپ بے محابہ غیر کے ملک میں آکر بیٹھ گئے ہیں۔ یہ آپ کی بزرگی سے دور نظر آتا ہے اور ہمیں یہی درد (خیال) ہے کہ اپنے باپ کے اکیلے فرزند ہو اور دوسری اولاد کوئی نہیں اپنی اصل کا فکر کریں۔ سترکھ ایک تنگ ملک ہے آپ کے

(1) کڑہ مانکپور ضلع پرتاب گڑھ میں واقع ہیں۔ پرتاب گڑھ کی 1891ء کی مردم شماری کے مطابق اس وقت 364 افراد نے جھوجھ قبیلہ میں اپنا اندراج کرایا۔ انڈیا اور پاکستان میں جہاں بھی جھجھ آباد ہیں وہ سالار مسعودؒ کی راہ گزر پر ہی آباد ہیں۔ پرتاب گڑھ جو اس راہگزر سے بہت دور ہے وہاں جھوجھ کا موجود ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ سالار مسعود غازی کے لشکر کے ہی ساتھ وہاں بھی گئے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جھجھ قبیلہ سالار مسعود غازی کے ساتھی رہے تھے اور ان کی تاریخ سالار مسعودؒ غازی کی تاریخ کے ساتھ منطبق ہے۔ مزید تفصیل تاریخ جھوجھ سے حاصل ہوگی جو عنقریب شائع ہوگی۔

رہنے کے قابل نہیں۔ ہم لاکھوں ہزاروں کا لشکر رکھتے ہیں اور دیگر نواحی راجگان بھڑائچ وغیرہ ہر طرف ہم سے بھی زیادہ لشکر کے مالک ہیں۔ جب ہر طرف قاصد روانہ کریں گے تو تمہارے لیے مشکل ہو گی۔ بہتر یہ ہے کہ خود ہی بالا بالا راستہ پکڑیں (یعنی چلے جائیں) سلطان الشہداؒ بپھرے ہوئے شیر کی طرح جوش میں آئے اور غیرت مند زبان سے فرمایا کہ تم سفیر بن کر آئے ہو اگر کوئی دوسرا اس قسم کی بے ادبانہ بات کرتا تو اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا۔ راجگان کو کہہ دو کہ ملک اس قادر القہار کا ہے جس کو چاہتا ہے، دیتا ہے میں اس جگہ سیر کے لیے نہیں آیا ہوں اسے وطن بناتا ہوں اور پروردگار عالم کے حکم سے اس کافر ملک سے کافری کو جڑ سے اکھاڑ دیا ہے انشاء اللہ آج سے دین محمدؐ دن بدن ترقی پذیر ہو گا اور کفر زائل ہو گا اور کافروں پر قہر نازل ہو گا اور اگر آپ جنگ کا ارادہ رکھتے ہیں تو دیر نہ کریں میں موجود ہوں۔ دو زین کہ سحر جادو سے بنا کر لائے ہوئے تھے، واپس کر دیں اور فرمایا کہ مرد تو اصل مقصد کو سوچ سمجھ کر کانِ کفر میں اس لیے آئے ہیں کہ اس ملک کے اندھیرے (گمراہی۔ کفر) کو نورِ اسلام سے منور کریں اس کے بعد سفیر کو رخصت کر دیا۔ سفیر نے حالات اپنے راجگان کو جا کر بتائے اور کہا کہ وہ بچہ بالکل خوف زدہ نہیں آپ ہوشیار ہو جائیں آپ کی نو لاکھ فوج اس کے لیے کوئی وجود نہیں رکھتی۔ کافر پریشان ہو گئے۔ ایک حجام موجود تھا کہا کہ اگر فرمائیں تو اس بچہ کا کام (تمام) کر دوں راجگان نے کہا کہ ہم تمہیں گاؤں انعام میں دیں گے۔ اگر تیرے ہاتھ آتا ہے تو دیر نہ کر۔ پچاس تنکہ سونے کا انعام دے کر رخصت کیا حجام

نے ایک ناخن تراش زہر آلود بنا کر ساتھ لیا اور روانہ ہو گیا۔ سلطان الشہدؒ شکار کھیل کر نماز ظہر کے وقت سترکھ میں اپنی قیام گاہ پر تشریف لائے کہ کافروں کے حجام نے ناخن تراش دکھا کر خدمت کا ارادہ ظاہر کیا۔ سلطان الشہدؒ نے ناخن تراش اپنے ہاتھ میں لیا اور اسے پوچھا کہ تو اب تک کس کا نوکر تھا۔ حجام نے عرض کیا کہ چند دن مسلمانوں کی خدمت میں رہا اور چند دن ہندوؤں کی۔ اب آنحضرت کی درگاہ کے لوگوں کی خدمت کا ارادہ رکھتا ہوں۔ سلطان الشہدؒ نے (اس کی بات میں) اخلاص نہ پایا ایک تنکہ سونے کا دے کر رخصت کر دیا۔ اور فرمایا کہ میں ہندوؤں سے خدمت نہیں لیتا (یعنی ملازم نہیں رکھتا) ناخن تراش کو دست مبارک میں پکڑا اور بائیں ہاتھ کی مبارک انگلی کے ناخن پر چلایا۔ ناخن تراش بہت تیز تھا اور سلطان الشہدؒ بھی ناخن کاٹنا نہ جانتے تھے۔ ضرب لگنے سے ناخن کے اندر زخم آ گیا اور زہر اپنا اثر کر گیا۔ انگلی گرم ہو گئی یہاں تک کہ تمام بدن میں زہر سرایت کر گیا۔ سلطان الشہدؒ کا چہرہ ہلال کی طرح سفید ہو گیا اور بدن نیلو فری میں شدید بخار ہو گیا۔ کبھی چارپائی پر جا لیٹتے اور کبھی اپنے آپ کو زمین پر لا ڈالتے۔ حاضرین کو معلوم ہو گیا کہ ناخن تراش زہر آلود تھا۔ اسی وقت زہر مُہرہ پانی میں دھو کر دیا گیا اور کچھ آپ کے منہ مبارک میں ڈالا گیا۔ دو تین مرتبہ لعاب جب اندر گیا تو حرارت کم ہونی شروع ہو گئی اور دو تین گھنٹے میں زہر اتر گیا۔ حق تعالیٰ نے اس تکلیف کو راحت میں تبدیل کر دیا تمام امرا اور ارکانِ دولت اور لوگ اپنے آپ کو اس محبوب رب العالمین کے گرد نثار کرنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے دوبارہ

زندگی عطا فرمائی ہے اور شادیانے بجائے گئے اور بہت سے صدقات دیئے گئے۔ نیا حاصل کردہ ملک تھا۔ سلطان الشہدا نے اسی وقت غسل کر کے نفیس لباس زیب تن فرمایا اور چودھویں کے چاند کی طرح باہر آئے اور دیوان خانہ میں تشریف فرما ہوئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوتاہ اندیش اور بدخواہ لوگوں کے دل میں کوئی دوسری طرح کا خیال آئے۔ اس دوران اس محبوب کی عمر مبارک اٹھارہ سال تھی۔ سبحان اللہ۔ حق تعالیٰ نے کمال طرح کے حسن، جوانی، ذوق، عقل مندی غیرت مع مہربانی اور ہر طرح کے ظاہری اور باطنی کمالات سے آپ کی ذات مبارک کو متجلا عطا کیا تھا۔ یہاں تک کہ اپنے زمانے میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ بے مثال تصویر تھی اور مجھے اس وقت لوگوں کی بینائی اور کوردلی اور بے سعادتی پر حیرت ہوتی ہے کہ اس محبوب الٰہی کے جمال جہاں آرا کو چشم ظاہر سے دیکھ کر بھی ان کی ولایت پر ایمان نہیں رکھتے اور اپنے آپ کو ان کے حضور خدمت سے دور رکھتے ہیں۔ اس فقیر نے ایک مرتبہ اپنے سلوک کے شروع میں سلطان الشہدا کی باطنی طور پر زیارت کی تھی اسی وقت سے دل کاروبارِ دنیا سے ٹھنڈا ہو گیا اور تین چار سال ان کے فراق میں اپنی خبر بھی نہ رہی تھی صفائے قلب ونظر کے بعد دائمی حضوری نصیب ہو گئی تو کچھ تسکین ہوئی۔ میں نے اس بات کی تحقیق کر لی ہے اور دوستوں کا بھی اتفاق ہے کہ عالم ظاہر و باطن میں کوئی چیز عشق اور غمِ عشق سے بہتر موجود نہیں۔

زیں نکتہ خبر از دل بے ذوق چہ جوئید
در عالم معنی زکجائید بگوئید

سرمایہ عمر است ہمیں عشق درین دہر
گر عشق ندارید چہ دارید بگوئید!

(اس نکتہ کی خبر بے ذوق دل میں کیا تلاش کرتے ہیں عالم معنی میں آپ کہاں سے ہیں یہ تو بتائیے اس زمانے میں عمر کا سرمایہ یہی عشق تو ہے اگر عشق نہیں ہے تو بتائیے آپ کے پاس کیا ہے)

سلطان الشہداؒ نے رخ مبارک حاضرین مجلس کی طرف فرما کر اشارہ کیا کہ سرحدات کے امیروں کو خطوط لکھے جائیں کہ ایک کافر نے یہ حرکت کی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے خیر کر دی۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی دوسرا یہ بات کسی اور طرح بیان کرے اور اس جماعت کی یلغار کا باعث بنے۔ نیز ایک عرضداست حضرت ولی نعمت (یعنی والد) کی جانب کاہلر میں بھی ارسال کریں۔ جب منشی خطوط لکھ کر لایا تو خاص اپنے دستخط سے مزین کر کے قاصدوں کے ہاتھ جابجا ارسال کر دیئے۔ جب قاصد کاہلر میں سالار ساہو کی خدمت میں پہنچے تو بہت خوش ہوئے اور قاصد کو بغل میں لے کر تمام حال تفصیل سے دریافت کیا جب حجام کی حرکت کا واقعہ سنایا تو جسم مبارک پر لرزہ طاری ہو گیا۔ اور بے ہوش ہو گئے اور زارو قطار رونے لگے کچھ دیر بعد جب اپنے آپے میں آئے تو دیوانہ وار اندر ستر معلیٰ کے پاس گئے۔ وہ بھی مجنوں ہوئی بیٹھی تھیں۔ جب کوئی سالار مسعود کا نام لیتا تو تھوڑی ہوش میں آتی تھیں۔ سالار ساہو نے سلطان الشہداؒ کے خاص دستخط ان کو دکھائے تو ہر مرتبہ جب دیکھتیں آنکھوں سے ملتیں اور سالار ساہو کو اشارہ کیا کہ پڑھیں۔ تمام حالات مطالعہ کئے مگر جب حجام کی حرکت پر پہنچے تو کہا کہ ہائے مسعودؒ پر زہر نے اثر کیا اور میں زندہ ہوں۔ یہی کہہ کر بے ہوش ہو گئیں۔ فراق کا تیر جگر کے پار ہو گیا۔ اس وقت سے

بیمار پڑ گئیں۔ ہر چند حکیموں نے علاج معالجہ کیا مگر کارگر نہ ہوا۔ یقیناً مریض عشق کو سوائے دیدار کے کوئی علاج نفع نہیں دیتا۔ اور چونکہ یہ (دیدار) میسر نہ تھا تو لاچار جان اس کے پیش کر دی گئی۔ بارھویں دن اسی فراق میں ستر معلیٰ نے دار بقا کی طرف رحلت فرمائی۔ نعش غزنی روانہ کر دی۔ سالار ساہو نے کہا کہ میں اس عورت کی خاطر سالار مسعود کے ہمراہ نہ گیا۔ اب اس ملک میں میرا کیا کام ہے۔ اور اسی مضمون کی عرضداشت سلطان محمود کی خدمت میں ارسال کر دی اور خود لشکر کے ساتھ ہند متوجہ ہو گئے۔

واللہ علم بالحقیقت والصواب

(تحت داستان سوم)

داستانِ چھارم:

سلطان الشہدؒ کا بھڑائچ کی طرف متوجہ ہونا اور سترکھ میں سالار ساہو کی رحلت اور سلطان الشہدؒ کا جنگ عظیم بھڑائچ میں شہید ہونا۔

القصہ جب سالار ساہو سترکھ کے قریب پہنچے تو سالار مسعودؒ نے ان کا استقبال کیا اور ان کے گھر میں شب و روز عیش و نشاط کی مجالس ہوئیں اور شادیانے بجائے جانے لگے اور پہلوانِ لشکر کی آمد سے تمام لشکری خوش ہو گئے اور سرحدات پر قوت حاصل ہوگئی اور کفار ہر طرف غمزدہ اور پریشان ہو گئے۔ چند روز کے بعد ملک فیروز شاہ نے کافروں کے جاسوس پکڑ کر سترکھ روانہ کئے تو سلطان الشہدؒ کے خدمت گاروں نے انہیں پہچان لیا وہ دو زنار پہننے والے تھے۔ اس سے قبل یہ دونوں پُر سحر زدہ زین جو راجگانِ کٹرہ مانک پور کی طرف سے بھیجی گئیں تھیں، کو سلطان الشہدؒ کی خدمت میں لائے تھے اور ایک وہی حجام تھا جو زہر آلود ناخن تراش لایا تھا۔ پہلوانِ لشکر نے فرمایا کہ تینوں کو تہِ تیغ کر دیا جائے۔ سلطان الشہدؒ نے فرمایا کہ ان کے قتل سے کیا نفع ہو گا آزاد فرما دیں۔ سالار ساہو نے کہا کہ زناداروں کو اپنے بیٹے کی خاطر آزاد کرتا ہوں مگر حجام کو ہرگز نہ چھوڑوں گا۔ اسی وقت اس کو قتل کر دیا گیا۔ اور وہ خطوط جو راجگانِ کٹرہ مانک پور نے راجگانِ نواحِ بھڑائچ کو لکھے تھے۔ ان زناداروں سے لے کر پڑھے گئے۔ لکھا تھا کہ بیگانہ لشکر ہمارے اور تمہارے

درمیان آکر بیٹھا ہے اُدھر سے تم اور ادھر سے ہم ان مسلمانوں کو مار ڈالیں۔ پہلوانِ لشکر غیرت میں آگئے۔ اسی وقت دو جاسوس مقرر فرمائے کہ راجگانِ کٹرہ مانک پور کی خبر لائیں۔ خبر ملی کہ ابھی وہ لوگ بیٹی بیٹے کی شادی میں مشغول ہیں۔ پہلوانِ لشکر نے نقارہ (کوچ) بجوایا اور سوار ہو گئے۔

سلطان الشہدا کو سترکھ میں چھوڑا اور خود شوکت وحشمت کے ساتھ راتوں رات کفار ناہنجار کے سر پر جا پہنچے۔ فوج کے دو حصے کئے ایک کٹرہ کی طرف اور دوسرے کو مانک پور روانہ کیا۔ ترکانِ بہادر بڑی تیزی سے ہر دو مقام پر پہنچ گئے۔ کفار جنگ کے لیے نکل آئے لیکن لشکرِ اسلام قوی ثابت ہوا اور ہزاروں کافروں کو تہِ تیغ کر کے دونوں راجگان کو زندہ گرفتار کر کے پہلوانِ لشکر کی خدمت میں لائے۔ اسی وقت دونوں کے گلے میں طوق ڈال کر سترکھ روانہ کر دیا اور سالار مسعودؒ کو لکھا کہ ان حرام خوروں پر خوب نظر رکھیں۔ سالار مسعودؒ نے ان کو سالار سیف الدین کے پاس (قید کے لیے) بھڑائچ بھیج دیا۔ القصہ پہلوانِ لشکر نے کٹرہ اور مانک پور کو خاک برابر کر دیا۔ کافی سارا مال و اسباب اور کنیزیں فوج کے ہاتھ لگیں۔ اس کے بعد ملک عبداللہ راجو کو کٹرہ میں تعینات کیا اور ملک قطب حیدر کو مانک پورہ تفویض کیا اور خود شان وشوکت کے ساتھ سترکھ لوٹ آئے۔ اس وقت تمام راجگان ہند کو حیرت ہوئی کہ اس لشکر اسلام سے مقابلہ کرنا ناممکن ہے آخر کفار کے درمیان اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ جنگ کا سامان جمع کیا جائے۔

ایک دن پہلوانِ لشکر اور سالار مسعودؒ شکاری گھوڑے پر سوار تھے، نماز ظہر

کے بعد اپنی منزل کی طرف چلے۔ سلطان الشہداؒ نے دیکھا کہ ایک بڑا شیر درخت کے نیچے بیٹھا ہے تو اسے اپنی حرکت سے غافل کر کے' ہرن والی چال کے گھوڑے سے شیر کی طرف دوڑ لگائی۔ جب شیر سے ان کی نظر دو چار ہوئی تو شیر نے غرّا کر چھلانگ لگائی۔ قریب تھا کہ سلطان الشہداؒ پر ہاتھ مارے انہوں نے جلدی سے شمشیر حیدری کو لہرا کر اس طرح وار کیا کہ شیر دو ٹکڑے ہو کر زمین پر آ رہا۔ بس شور مچ گیا۔ پہلوانِ لشکر نے واقعہ کا مشاہدہ کیا تو فرزند کے گرد پھیرے لگا کر نثار ہونے لگے۔ پھر جب ڈیرہ پر آئے تو فقیروں، مسکینوں کو بہت سے صدقات عطا فرمائے۔ اسی رات سالار سیف الدین کی بھڑائچ سے عرضداشت پہلوانِ لشکر کو موصول ہوئی' لکھا تھا کہ کفار نے ہر طرف سے غلبہ کیا ہوا ہے اس لیے بندہ کی جلد از جلد امداد کی جائے سلطان الشہداؒ نے التماس کی کہ مجھے حکم کریں کہ بھڑائچ جاؤں اور کفار کی گوشمالی کروں۔ پہلوانِ لشکر نے قبول نہ کیا کہ فرزند کی جدائی آدھی رات کے وقت انتہائی دشوار معلوم ہوتی ہے۔ بڑھاپے میں مجھے تنہا نہ چھوڑیئے۔ سلطانِ الشہداؒ نے دوبارہ عرض کیا کہ بھڑائچ کی طرف شکار گاہ بڑی خوب ہے۔ چند روز شکار کھیل کر جلدی خدمت میں آ جاؤں گا۔ لاچار ہو کر اجازت دے دی البتہ زار و قطار رونے لگے۔ سلطانِ الشہداؒ کو بھی آئندہ وقت روشن تھا مغموم ہو کر بھڑائچ روانہ ہو گئے۔ ان کے آنے سے کافروں کو جو اپنی کم عقلی کی وجہ سے سر اٹھائے ہوتے تھے پریشان ہو کر اپنی جگہوں پر سکونت پذیر ہوئے۔

سلطانِ الشہداؒ بھڑائچ کے نواح میں شکار میں مصروف تھے کہ سورج کنڈ

کے بت خانہ پر گزر ہوا۔ فرمایا کہ اس زمین سے مجھے وطن کی خوشبو آتی ہے۔ یہ سورج کنڈ کافرانِ ہند کا قبلہ تھا۔ ایک شکل سورج کی پتھر پر نقش کر کے حوض کے کنارے رکھی تھی اس کو" بالا رک" کہتے تھے۔ اور بھڑائچ کا نام اسی" بالا رک" کے نام سے آباد کیا گیا تھا۔ اور سورج گرہن کے وقت، مشرق و مغرب سے تمام کفار اس کی پوجا کے لیے آتے تھے اور اتوار کے دن ہزاروں مرد اور عورتیں بھڑائچ وغیرہ کی طرف سے آتے اور اپنا سر پتھر کے نیچے ملتے اور اپنے معبود کی طرح پوجتے تھے۔ سلطان الشہدؒ اس بت پرستی سے بہت رنجیدہ خاطر ہوتے تھے اور کئی بار فرمایا کہ انشاء اللہ، اللہ کی عنائیت سے میں اس کفر کی کان کو ہٹا کر اس جگہ عبادت الٰہی کا حجرہ بناؤں گا اور کفر کو اس علاقہ سے اکھیڑ دوں گا۔ حق تعالیٰ نے اس بات کو قبول فرما لیا جیسا کہ اسلام کی رونق اس مقام پر سورج کی طرح روشن ہے۔

القصہ 17 شعبان 423ھ کو سلطان الشہدؒ سترکھ سے بھڑائچ آئے اور دوسرے ماہ عبدالملک فیروز کی عرضی سترکھ سے موصول ہوئی۔ معظم خان سامنے کھڑا تھا۔ قاصدوں کو پریشان/ رنجیدہ دیکھا تو پوچھا کہ کیا حال ہے انہوں نے کہا کہ سالار ساہو کی رحلت ہوگئی ہے۔ معظم خان نے وہ پرچہ اپنے پاس رکھ لیا۔ اور قاصدوں کو کہا کہ ابھی اس بات کا اظہار نہ کرنا۔ دوسرے دن معظم خان، شرف الملک، ظہر الملک، عین الملک، ملک نیک بخت اور دیگر امیر امرا اور ارکان حکومت اکھٹے ہو کر سلطان الشہدؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عبدالملک فیروز کا خط سلطان الشہدؒ کے ہاتھ میں دیا۔ لکھا تھا کہ 15 شوال

سالِ مذکور (423ھ) سالار ساہو کو دردِ سر ہوا۔ وصیت کی کہ میرا وقت آخیر آ پہنچا مجھے سترکھ میں دفن کر دینا۔ 25 ماہِ مذکور (شوال) میں راہی ملک عدم ہوئے اور اللہ کی رضا پر راضی۔ سالار مسعودؒ اس جگر سوز خبر پر روئے اور اپنے کپڑے پھاڑ لئے اور بیہوش ہو گئے۔ چند ساعت میں جب ہوش آیا تو حسن میمندی کی باتین یاد آئیں کہ اس کے مکروفریب نے ہمیں اس حال کو پہنچایا۔ والدہ ماجدہ کاہلیر میں فوت ہوئیں۔ اور والد صاحب سترکھ میں۔ اب یتیمی کی قدر معلوم ہوئی۔ سبحان اللہ ایک وہ وقت تھا کہ سلطان محمودؒ کے ہم نشین تھے اور اب یہ حال کہ جنگل، بیابان اور کفر کی کان میں پڑے ہیں۔ معلوم نہیں کہ انجام کیا ہوگا۔ ان الفاظ نے تمام حاضرین کو رلا دیا۔ جب لوگوں کو اس حال میں دیکھا تو خود کو صحیح حالت میں لائے اور غم پریشانی کو ہٹا کر منشی کو اشارہ فرمایا کہ امیرانِ سرحد کو فرداً فرداً خط لکھ کر اس مصیبت کی اطلاع دو کہ خدا کی رضا کے آگے کوئی چارہ نہیں۔ حق تعالیٰ کی رضا پر شاکر ہوں، آپ بھی اس کی رضا پر مردانہ وار شاکر رہیں اور اسی کی قوت پر بھروسہ رکھیں۔ سبحان اللہ کمال عقل اور کمال غیرت تھی کہ اس سانحہ جاں کاہ میں بھی عقل وشعور کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ عبدالملک فیروز کو خلعت اور گھوڑا عطا کیا اور اسے سترکھ کا والی بنا دیا اور تسلی دی کہ خدا کی رضا پر راضی رہو۔

الغرض دس دن شکار پر نہ گئے اور علما اور درویشوں کی صحبت میں رہے اور روزانہ ڈھیروں لنگر تقسیم کیا اور بہت صدقات عطا فرمائے اور ختم قرآن کرائے گئے۔ دسویں کے بعد معین طریقہ پر شکار کو گئے اور بندہ پروری خلق پر

متوجہ ہو گئے۔ بارہا فرمایا کہ جب سے ہم ملک ہند میں آئے ہیں ایک دن بھی آرام وسکون سے نہ گزارا۔ خصوصاً اس بھڑائچ کی آبادی میں کہ سارا جنگل بیابان ہے ایک گھڑی بھی چین کی نہ ملی۔ اس کے باوجود ہمارا دل اس کی طرف مائل ہے اور اس زمین سے خلوص و یگانگت کی بو آتی ہے۔ حاضرین اس کلام کا مقصد معلوم کر کے پریشان اور رنجیدہ ہوئے اس وقت (اس بات سے) رخ پھیر کر اور باتیں شروع کر دیں۔

سلطانِ الشہدا ہر وقت حدیثِ رسول اللہ ﷺ کے مطابق، موت کی فکر میں رہتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

(کن فی الدنیا کانک غریب ان کعابری سبیل و عد نفسک من اصحاب القبر)

''دنیا میں غریب اور مسافر بن کر رہ۔ اور اپنے آپ کو اصحاب قبر میں شمار کر''

الغرض دو تین ماہ غم وخوشی میں گزر گئے۔ جب محرم کا چاند نظر آیا اور نیا سال چڑھا صبح کے وقت مجلسِ عیش برپا کی۔ تمام آئے ہوئے لوگ حاضر ہوئے۔ کھانے اور عطریات خرچ کیں اور سب کو تحائف وعطیات دے کر رخصت کیا۔ خود وضو تازہ کیا اور قیلولہ میں مشغول ہوئے اس وقت خواب دیکھا کہ سالار ساہو دریائے گنگا کے کنارے ایک بڑے لشکر کے ساتھ موجود ہیں۔ سلطان الشہدا بھی وہاں پہنچ جاتے ہیں جب خیمہ کا پردہ اٹھا کر دیکھا کہ سالار ساہو خوشی کی مجلس آراستہ کئے تشریف فرما ہیں موسیقار اور ناچنے والے

بھی حاضر ہیں اور ستر معلیٰ ہاتھ میں گلدستہ لئے کھڑی ہیں۔ جونہی سلطان الشہدؒ کو دیکھا کہا کہ بیٹے مسعود جلدی آؤ تمہارے کارِ خیر (شادی) کا سامان کئے ہوئے ہیں سالار مسعود قریب گئے تو جو گلدستہ ہاتھ میں لئے ہوئے تھیں، سلطان الشہدؒ کے سر پر سجا دیا۔ موسیقاروں نے ہر طرف سے موسیقی شروع کر دی اور باجے گانے اور شادیانے بجانے لگے۔ تمام لشکر میں شور پڑ گیا اور سلطان الشہدؒ اس غوغا سے جاگ گئے اور حیران ہوئے۔ خدمت گاروں سے پوچھا تو انہوں نے عرض کیا کہ ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ تازہ وضو کر کے باجماعت نماز ظہر ادا کی اور علما اور مصاحبوں کو بلا کر خواب بیان کیا۔ ان لوگوں نے کتاب تعبیر خواب نامہ منگوا کر دیکھنا شروع کیا۔ سترھیویں فصل میں لکھا تھا کہ جو یہ خواب دیکھے اسے شہادت دینی نصیب ہو گی۔ جب سلطان الشہدؒ نے خواب کی تعبیر سنی ٹھنڈی آہ بھری اور خدا کا شکر بجا لائے اور یہ شعر پڑھا۔

آہ بیکبارگی یار کمر ما گرفت
چوں دل ماتنگ دید خانہ دگر جا گرفت

اس کے بعد سلطان الشہدؒ نے حاضرین کی طرف رخ کیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''کل نفس ذائقۃ الموت'' ہر جی دار نے موت کا مزا چکھنا ہے۔ پس اس شخص کو سعادت ہے جو شربتِ شہادت پی کر ذوق و شوق سے عالم باطن کی طرف سدھارے اور اس دنیا کے جھنجھٹ سے فارغ ہو۔ ہمارا مطلوب ذات حق تعالیٰ ہے۔ میرے اور میرے دوستوں کو (اللہ نے) اسد

اللہ الغالبؑ اور آئمہ معصومین کی میراث عطا کی ہے اور اس نعمت (شہادت) سے سرفراز فرمایا ہے۔

القصہ دوسرے دن ایک شخص راجگان نواحِ بھڑائچ کا بھیجا ہوا سلطان الشہداؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اسے ملک حیدر نے خدمت اقدس میں پہنچایا۔ عریضہ جو لے کر آیا تھا وہ حضور میں پیش کیا۔ کفار نے غرور وتکبر سے لکھا تھا۔ کہ تم اوپر (بلندی) سے آئے ہو اس ملک کی حقیقت سے نا آشنا ہو۔ یہ ملک ہمارا آبائی ہے اور یہاں کوئی بالادست (یعنی چڑھائی کرنے والا) نہیں رہ سکتا۔ چاہیے کہ جانے کی فکر کرو۔ سلطان الشہداؒ نے آنے والے سے پوچھا کہ کتنے راجگاں جمع ہیں اور ان کے کیا نام ہیں۔ اس نے کہا کہ راجہ رایت و ساہب وارجن و بھیکن و کنک وکلیاں ونکرو وسکرو وکرن، بیربل واجپال وسری پال وہر پال و برکن و ہرکھو ونوہرو اجود ہارئی و دیونرائن اور نرسنکھ آٹھ لاکھ فوج کے ساتھ اکھٹے ہوئے ہیں اور جنگ کا ارادہ رکھتے ہیں۔ سالار مسعودؒ نے جواب لکھا اور ملک نیک دل کو سات پیادوں کے ساتھ اس کے ہمراہ رخصت کیا کہ خط کا جواب خود دینا چاہیے۔ اصل میں مقصد یہ تھا کہ ان کے لشکر کو دیکھ آئیں۔ ملک نیک دل اس جگہ پہنچا اور خبر دی کہ تمام راجگان ایک جگہ جمع ہیں۔ ملک کو اپنے سامنے بلایا اور پوچھا کہ سالار مسعودؒ نے کیا کہا ہے ملک نیک دل نے کہا کہ میرے صاحب نے آپ سے اچھی خواہشات کا اظہار کیا ہے اور مزید فرمایا ہے کہ اس جنگل بیابان میں شکار کے لیے کچھ عرصہ کے لیے آیا ہوں بہتر ہوگا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان ایک معاہدہ ہو جائے اور

برادرانہ طور پر رہ کر اس کو آباد کریں۔ کفار بد کردار نے کہا کہ جب تک ہمارے اور تمہارے درمیان ایک جنگ نہ ہو جائے' امن کی بات ماننے کے قابل نہیں۔ اس جگہ تک آپ بے خوفی سے قوت و طاقت لے کر آئے ہو ہم نے اب تک آپ سے درگذر کیا جب تک ایک طرف کی قوت ٹوٹ نہیں جاتی۔ امن کا معاملہ نہیں ہو سکتا۔ رائے کرن نے کہا کہ آپ کے امیر کو اس ملک کی آب و ہوا کے بارے میں معلوم نہیں۔ ہمارا فیصلہ یہ پانی (دریا) کر سکتا ہے بہتر ہے کہ تم دریا (سرحد) پار چلے جاؤ اور تم چڑھائی والے علاقہ کی طرف نکل جاؤ۔ ورنہ جنگ ہو گی۔ کلیان ان کافروں میں کچھ باشعور تھا کہنے لگا کہ اے راجگاں تمہاری عقل گم ہوگئی ہے کیا خیال ہے کہ سالار مسعودؒ نے ڈر کر صلح کی بات کی ہے آپ کے دل میں یہ غلط خیال سما گیا ہے۔

تصور کریں کہ گذشتہ دنوں وہ غیرت سے سلطان محمود کے پاس تھے تو وزیر کی دشمنی کی وجہ سے ماں باپ کو چھوڑ کر تمام ملک ہند کو اپنے تصرف میں لے آئے۔ والدہ کاہلر میں اور والد ستر کھ میں فوت ہوئے تو زیارت کے لیے بھی نہ گئے اس طرح مسخری کرتے اور کہتے ہیں کہ اگر کسی کو ذوق ہو تو مجھے ہاتھ پکڑ کر اس جگہ سے اٹھا دے اور ہمیں طعنے دیتے ہیں ہاں صلح میں کوئی نقصان نہیں اگر وہ قبول کرے۔ کافروں نے آپس میں مختلف آرا کا آغاز کر دیا۔ ملک نیکدل مجلس کا یہ حال دیکھ کر کھڑا ہوا اور رخصت ہو کر سلطان الشہداؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور حالات بیان کئے کفار نے متواتر کوچ کر کے دریائے کتھلہ کے کنارے جنگل میں ڈیرہ ڈال لیا جب یہ خبر سلطان الشہداؒ کو ملی تو تمام

بڑے امرا کو طلب فرمایا اور مشورہ لیا کہ اسی جگہ جنگ کرنی ہے یا ان کے سر پر پہنچ کر حملہ کیا جائے۔ تمام امرا جو تجربہ کار تھے' نے عرض کیا کہ ان کے سر پر پہنچنا چاہیے۔ سلطان الشہداؒ مسلح ہو کر نمازِ مغرب کے بعد سوار ہوئے اور راتوں رات، صبح کے قریب کفار کے لشکر پہ پہنچ گئے۔ فوج کو آراستہ کیا۔ سالار سیف الدین کو ہراول اور دیگر امرا کو آگے پیچھے دائیں بائیں مقرر کر کے خود درمیان ہو کر لشکر کفار کی طرف متوجہ ہوئے۔ وہ بھی خبر پا کر جنگ کے لیے نکل آئے۔ امیر سیف الدین نے قریباً چھ گھنٹہ جنگ کی۔ اتنے میں دائیں طرف سے میاں رجب، امیر خسرو اور امیر نصراللہ نے گھوڑے دوڑائے اور بائیں سے امیر ترکان اور امیر بایزید چڑھ آئے۔ سلطان الشہداؒ بھی متوجہ ہوئے۔ کئی ہزار کفار کو تہِ تیغ کیا اور بیشتر مسلمان بھی شہید ہوئے۔ آخر کافر لاچار ہو کر ہزیمت پذیر ہوئے اور پانچ راجے قید کر لئے گئے۔ دل چاہی فتح حاصل ہوئی۔ کچھ دور تک لشکر اسلام نے تعاقب کیا۔ سلطان الشہداؒ نے اس جگہ قیام فرمایا۔ شہدا کو دفن اور ان کی ارواح پر فاتحہ پڑھی گئی۔

آٹھویں دن بھڑائچ کی طرف متوجہ ہوئے۔ ہوا خاصی گرم ہو گئی تھی اور کافی دور سے سفر کیا تھا، سورج کنڈ کے کنارے ایک کلچان (ماہوآ) کے درخت کے نیچے آرام فرمایا اور زبان مبارک سے کہا کہ اس درخت کا سایہ مجھے بہت اچھا لگا ہے اور اس زمین سے مجھے آشنائی کی بو آ رہی ہے۔ بہتر ہے کہ اس جگہ ولایت (اپنے وطن) کے طریقہ پر ایک باغ لگایا جائے اور یہیں رہوں تا کہ کافروں کا ہجوم اور کفر کی ظلمت یہاں سے دور ہو جائے۔ جب تک

کفار کی بت پرستی اور کفر کا اندھیرا یہاں سے دور نہیں ہوتا ممکن نہیں کہ اس ملک میں اسلام ظاہر ہو۔ انشاء اللہ نقشی آفتاب کی پوجا کرنے والوں کو قوت مشاہدہ آفتاب معنوی سے برطرف کروں گا۔ اسی وقت حکم دیا کہ سورج کنڈ کے اردگرد کے تمام درخت کہ کفر کے اندھیرے سے سیاہ ہو چکے ہیں، جڑوں سے اکھیڑ دیئے جائیں سوائے اس کلچان کے درخت کے جس کے سایہ میں بیٹھا ہوں۔ یہ کام میاں رجب کوتوال کے حوالے کیا اور خود دولت و اقبال کے ہمراہ بھڑائچ میں معین منزل کی طرف تشریف لے گئے۔ اور اس وقت کے بعد زیادہ وقت خلوت میں رہ کر شغلِ باطن میں مشغول رہتے۔ ایک دو وقت امیران اور ارباب حکومت کی خاطر داری کو دیوانخانہ میں تشریف لاتے اور پھر واپس محل میں چلے جاتے۔

میاں رجب نے تین چار دن میں پرانے درختوں کو جڑوں سے اکھاڑ کر سورج کنڈ کے اردگرد قریباً سو بیگھ کے (بلکہ زیادہ) زمین ہموار کر کے سلطان الشہدا کو عرض داشت بھیجی کہ اب کیا حکم ہے۔ سلطان الشہدا خود گھوڑے پر سوار ہو کر اس طرف گئے اور لشکر کے بیلدار جو وطن سے ساتھ آئے تھے' کو بلایا اور فرمایا کہ ولایت (وطن) کی طرح کا دل پسند باغ لگایا جائے اور میاں رجب کو اشارہ کیا کہ لوگ ہر جگہ تعین کر دیئے جائیں کہ ہر قسم کے پودے اس باغ کے لیے فراہم کریں اور اس طرح باڑ لگائی جائے کہ چند دنوں میں باغ تیار ہو جائے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ کلچان کے درخت کے نیچے چبوترہ بنا دیا جائے، جس پر نشست ہو۔ یہ جگہ مجھے بہت پسند آتی ہے اس کے بعد خود بھی

باغ کے اطراف کی اصلاح دی۔ میاں رجب مزاج شناس تھا۔ دن رات اسی کام میں لگ گیا۔

القصہ دوسرے روز راجہ جوگی داس کا قاصد بے شمار سوغات لے کر کوہِ جملہ سے حاضر دربار ہوا۔ ملک حیدر نے سلطان الشہداؒ کے حضور پیش کیا۔ مذکورہ قاصد نے اپنے راجہ کی طرف سے تابعداری اور خلوص کا اظہار کیا۔ کچھ دیر بعد راجہ گوبند داس کا قاصد بھی سوغات اور گنا لے کر حاضر ہوا اور راجہ کی طرف سے قدم بوسی کے شوق کا اظہار کیا۔ سلطان الشہداؒ نے دونوں قاصدوں کو خلعت زریں عطا فرمائیں اور کہا کہ آپ نے اسلام کی اطاعت قبول کی ہے تو اپنے گھروں میں آرام سے دل جمعی کے ساتھ رہو۔ مجھے بھی آپ سے ملنے کا اشتیاق ہے جب بھی چاہیں تشریف لائیں کہ یہ آپ کا ہی گھر ہے اس کے بعد ان کو رخصت فرمایا۔ بعض دیگر راجگان نے بھی مصلحتاً سلطان الشہداؒ کی خدمت میں باہمی معاملہ کے لیے رجوع کیا تا کہ جنگ نہ ہو، لیکن وہ دوسری صورت میں جنگ پر امادہ تھے۔

الغرض ان راجگان نے جو جنگ میں شکست کھا گئے تھے۔ شرمندگی سے تمام راجگانِ ہند کو خطوط ارسال کیئے کہ یہ ملک ہمارے اور تمہارے آبا و اجداد کا ہے اور یہ ''بچہ'' چاہتا ہے کہ طاقت سے اس پر تصرف حاصل کرے۔ مشورہ یہ ہے کہ ہماری امداد کریں ورنہ ملک ہاتھ سے جاتا ہے۔ تمام راجگان نے (جواباً) لکھا کہ ہم موجود ہوتے ہیں اور جلدی آتے ہیں کہ جنگ کا انجام کریں۔ رائے سہر دیو سجولی سے اور رائے بھر دیو دوسری جگہ سے بے شمار فوج

کے ساتھ لشکر کفار میں آ گئے۔ صلاح دی کہ آپ لوگ جنگ کا طریقہ نہیں جانتے۔ پہلے چند ہزار زہر آلودہ کیل، سینگ اور لوہے سے ایسے آلات تیار کرائے جائیں جو میدان میں مضبوطی سے گاڑ دیں۔ مسلمان گھوڑوں کو بے محابا دوڑاتے ہیں تو یہ کیل ان کے پاؤں میں لگیں گے تو وہ گریں گے تو ان کا کام تمام کر دیں گے۔ دوسرے سامان آتش بازی مہیا کیا جائے۔ ایسا ہی کیا گیا۔ دو ماہ بعد تمام راجگان ہندو کوہستان مع بے شمار لشکر کے، دریائے کتھلہ کے کنارے جمع ہو گئے۔ اور ایک آدمی کو سلطان الشہداؒ کے ہاں روانہ کیا اور کہا کہ اگر زندگی چاہتے ہو تو ٹھنڈے پانی (دریا) کے پار دوسری طرف چلے جاؤ۔ یہ ملک ہمارے آباواجداد کا ہے۔ تم کو اس میں نہ رہنے دیں گے۔ سلطان الشہداؒ کو بہت غیرت آئی کہا کہ اللہ کی مہربانی سے ہمارے قدم پیچھے نہیں ہٹتے اب بھی انشاء اللہ ہم نہ جائیں گے۔ ملک اللہ کا ہے جسے خدا دیتا ہے اسی کے تصرف میں رہتا ہے۔ تمہارے آباؤ اجداد کو کس نے دیا تھا۔ وہ شخص راجگان کے پاس لوٹا تو واقعہ حال بتایا۔ راجگان نے کہا کہ یہ ''بچہ'' بغیر کسی خوف کے جواب دے رہا ہے اور بالکل نہیں ڈرتا۔ سلطان الشہداؒ نے ملک حیدر کو فرمایا کہ سالار سیف الدین، امیر نصر اللہ' امیر خضر، امیر سید ابراہیم، نجم الملک، ظہر الملک، عین الملک، شرف الملک، نظام الملک قیام الملک اور میاں رجب کو میرے پاس بلاؤ۔ تمام امرا جمع ہو کر خدمت میں حاضر ہوئے ان سے مشورہ کیا اور یہ صلاح ٹھہری کہ انتظار اچھا نہیں بہتر ہے کہ ان پر حملہ آور ہوں۔ انشاء اللہ فتح ہو گی دوسرے دن تیار ہو گئے اس وقت

خبر ملی کہ کفار، لشکر کے مویشی لے گئے ہیں۔ سلطان الشہدا بپھرے ہوئے شیر کی طرح جوش میں آ گئے اور (کوچ کا) نقارہ بجوا دیا۔ خود مسلح ہو کر آئے اور سوار ہو گئے۔ فوجوں کو آراستہ کیا اور اوندھے کفار کے سر پر جا چڑھے۔ کافر بھی جنگ کے لیے آ موجود ہوئے۔ کیلیں گاڑ کر مضبوط کیں اور آتش بازی بھی سامنے لے آئے اور کھڑے (انتظار میں) ہو گئے۔ ترکانِ بہادر نے بے محابا گھوڑوں کو دوڑایا۔ جس کی وجہ سے اکثر لوگ پانچی (پانچ نوک والی کیلیں) اور آتش بازی سے ہلاک ہو گئے۔ پھر بھی جنگ عظیم کی اور بے شمار کفار کو تہِ تیغ کیا۔ سلطان الشہدا کو حالات سے آگاہ کیا گیا تو (انہوں نے) فوج ہراول کو دشمن کے مقابلہ میں چھوڑا اور خود درمیان میں رہ کر لشکر کفار پر چڑھائی کی۔ شدید جنگ ہوئی۔ اور دونوں طرف سے بے اندازہ لوگ قتل ہوئے۔ کافروں نے کوئی علاج نہ پایا تو بھاگ گئے۔ سلطان الشہدا درمیان میں کھڑے تھے۔ بعض امرا نے تعاقب کیا اور لشکر کفار کو غارت کر کے خدمت میں حاضر ہوئے۔

سلطان الشہدا نے میدان چھوڑ دیا اور دریائے کتھلہ کے کنارے ڈیرہ لگا کر حکم دیا کہ لشکر کی گنتی کی جائے کہ کتنے لوگ بچ رہے ہیں۔ جب شمار ہوا تو معلوم ہوا کہ ایک تہائی لوگوں نے شربت شہادت نوش فرمایا۔ سلطانِ الشہدا نے ان کلمات سے سر ہلایا اور بعد میں یہ شعر پڑھا۔

آہ یکبارگی یار مکین ما گرفت
چوں دل ما تنگ ید در خانہ دگر جا گرفت

القصہ تین روز وہاں رہ کر شہدا کی ارواح پر فاتحہ خوانی کے بعد بھڑائچ واپس آئے بیشتر پرانے دوست اور کچھ مصاحب اس جنگ میں شہید ہوگئے۔ مغموم تھے اور اکثر غم غلط کرنے سوار ہو کر باغ دیکھنے جاتے۔ خیابان اور راستے بنائے گئے تھے۔ آپ نے خود بھی جا بجا درخت لگائے اور ترتیب دی اور بعد میں کلچان کے درخت کے نیچے جہاں ایک صاف چبوترہ بنایا گیا تھا۔ بیٹھ جاتے۔ اس درخت کے قریب سورج کنڈ واقع تھا اور ایک حوض کے کنارے بت ''بالارک'' نامی نصب تھا۔ اس تالاب میں کافر غسل کر کے اس بت کی پوجا کرتے تھے۔ جب بھی سلطان الشہدا کی نظر اس حوض اور اس بت پر پڑتی بہت غیرت محسوس کرتے۔ میاں رجب ایک شوخ بندہ تھا۔ اپنے قیاس سے صاحب کا مزاج جان گیا تھا۔ عرض کیا کہ آپ نے اس جگہ باغ بنایا ہے اور کبھی کبھی تشریف بھی لاتے ہیں اور نماز بھی ادا فرماتے ہیں۔ یہ مقام اب دار اسلام ہوگیا ہے۔ اگر حکم ہو تو اس بت اور مندر کو دور کر دوں۔ سلطان الشہدا نے فرمایا کہ میرا حق تعالیٰ کے ساتھ ایک راز ہے کہ بیان نہیں کر سکتا۔ یہ مقام مجھے کسی اور شکل میں دکھایا گیا ہے اور ایسا ہی ظاہر ہو جائے گا۔ کچھ عرصہ کے بعد فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس ظلمت کدے کو اس مقام سے ہٹادیں گے اور اسلام جو آبِ حیات ہے، کا چھڑکاؤ کر دیا جائے گا۔ کفر و شرک کی حقیقت اس مقام سے جا چکی ہے کفر کی صورت / علامت بھی چند روزہ ہے۔ وہ بھی خود بخود برطرف ہو جائے گی۔ مجھے جس قدر حکم ملتا ہے اسی قدر ہاتھ پاؤں کو حرکت دیتا ہوں۔ میری نظر توحید کی طرف ہے۔ جب اس بتکدہ

سے شرک کی بو آتی ہے تو اسی وقت غیرتِ وحدت جوش دلاتی ہے مگر ادب احدیت مانع ہوتا ہے۔ سلطان الشہدؒ کا رنگ بدل گیا اور ایک دوسرے عالم کی تجلی بخشی گئی۔ ان پر حالتِ سُکر غالب آ گئی۔ میاں رجب حیران ہوا اور گزارش کی کہ میں نے جو کچھ کہا وہ اپنی بے بصیرتی سے کہا حق وہی ہے جو آپ نے فرمایا۔

الغرض عالم لوگوں نے میاں رجب کے بارے میں ان کی وفات کے بعد بہت سے جھوٹی باتیں مشہور کر دیں۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ سلطان الشہدؒ کا بھانجا تھا۔ نعوذ باللہ منہا۔ اس سیاہ غلام کو اس امیر سے کیا نسبت اور بعض اس کے نام کو مختلف بتاتے ہیں اور عجب سالار کہتے ہیں۔ کچھ کہتے ہیں کہ وہ سلطان فیروز کا والد تھا اور یہ رجب وہی پدرِ سلطان فیروز شاہ ہے۔ بہر حال یہ سب جھوٹ ہے رجب، سلطان الشہدؒ کے ادنیٰ غلاموں سے تھا۔ اور لوگوں میں اپنی سخت طبیعت اور مردم آزاری کی شہرت رکھتا ہے اور اہل بصیرت کے سامنے اتنی قدر نہیں رکھتا۔ اور سلطان الشہدؒ کو ہر شہر میں دوسرے ناموں سے بھی پکارا جاتا ہے۔ دہلی کے نواح میں پیر بحلیم کہتے ہیں اور خراسان میں سالار رجب اور بعض دوسرے (شہروں میں) غازی میاں۔ اور وہ جو تاریخ اور کتاب وغیرہ سے آشنا ہیں ان کو سپاہ سالار مسعود غازیؒ پڑھتے ہیں۔

کچھ دیر بعد اس حالت سے باہر آئے تو سوار ہو کر منزل معین پر تشریف لائے دو تین ماہ اس طرح گزرے کہ کبھی سکر اور کبھی عالم صحو۔ وہ اللہ کا محبوب اس وقت انیس سال کا تھا اور عقل، بہادری اور اخلاق اس قسم کا اور دین و

عرفان اور دیگر کمالات بھی۔ چنانچہ لکھا گیا کہ انہیں حسن یوسفیؑ، نور محمدیؐ اور ولایتِ حیدریؑ نصیب تھی۔ اور بندہ (مولف) کا اعتقاد ہے کہ اس قسم کا مجموعۂ صفات کوئی دوسرا انسان پیدا نہیں ہوگا۔ اس سے زیادہ خدا ہی جانتا ہے۔ القصہ ہند کے کافر ہر طرف سے بے شمار لشکر چیونٹیوں اور مکڑیوں کی طرح جمع ہو کر کے بھڑائچ کی طرف آ گئے۔ سلطان الشہداؒ نے جب کفار کا شور سنا تو دیوان خانہ میں تشریف لائے اور امرا کو حکم دیا کہ آج تمام چھوٹے بڑے لشکریوں کو میرے سامنے حاضر کیا جائے۔ ایسا ہی کیا گیا تمام فوج نے صفیں باندھ لیں اور کھڑے ہو گئے۔ اس وقت آپ اٹھے اور ان کے سامنے پہنچے۔ فرمایا کہ اے عزیزان چند سال سے ہم تم ساتھ ہیں اور میں کسی سے کسی قسم کی کدورت نہیں رکھتا۔ آپ لوگوں کے نیک سلوک پر خوش ہوں اور شکر گذار ہوں کہ آپ نے حق برادری اور دوستی کو واقعتاً ادا کیا ہے۔ اگر میری طرف سے آپ کو کوئی تکلیف پہنچی ہو تو خدا کے لیے معاف فرمائیں کہ فراق کا وقت آ پہنچا ہے۔ اس درد آلود خطاب کو سن کر سب لوگ رو پڑے اور منہ زمین پر رکھ کر تعریف کرنے لگے۔ کہ گناہ ہماری طرف سے تھے آپ کی طرف سے ہم راضی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ ہم پر قائم رکھے کہ ہمارے لیے ماں باپ سے بھی مہربان ہیں۔ پھر سلطان الشہداؒ نے فرمایا کہ دوستو اب تک کافروں سے جنگوں میں اللہ تعالیٰ نے فتح عطا کی اب سارے ہندوستان کے کفار جمع ہو کر آئے ہیں۔ اور بات یہ ہے کہ ہمارے آبا و اجداد تو وہ تھے جو جنگ سے منہ نہ پھیرتے تھے ہم بھی ضرور ان کے نقش قدم پر چلیں گے اور اس وجود کو جو

حجاب کا لباس ہے کو اتار دیں (یعنی راہِ حق میں جان نثار کریں) آپ سب کو خدا کے سپرد کرتے ہیں۔ کوئی دوسرا راستہ لیں (یعنی رخصت ہو جائیں) ہاں وہ شخص جو شوق شہادت رکھتا ہے وہ ہماری ہمراہی میں رہے۔ خدا حاضر و ناظر ہے کہ میں اپنی رضا سے آپ کو رخصت دیتا ہوں۔ یہ کہا اور آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ کون سنگدل اور بے سعادت ہو گا جو اس حال میں ان سے جدائی اختیار کرے۔ یکبارگی سب رونے لگے اور نہایت اخلاص سے کہنے لگے کہ اگر ہماری ہزار ہزار جانیں بھی ہوں تو آپ کے قدموں پر نثار کر دیتے۔ ایک زندگی کی کیا بات ہے کہ (اس کے لیے) آپ کے دیدار سے محروم ہو جائیں۔ سبحان اللہ اس دن، وہ دن عین نمونہ حشر بنا ہوا تھا۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اس کے بعد دونوں ہاتھ اٹھا کر نمازِ عشق جو پڑھتے تھے، پڑھی۔ اس کے بعد جو کچھ نقد اور مال اسباب پاس تھا سب حاضرین میں تقسیم کر دیا اور فرمایا جلدی خرچ کر ڈالو۔ کہ حضرت عیسیٰؑ ایک لکڑی کے پیالے اور ایک سوئی کی وجہ سے حاضر (دربار خداوندی) نہ ہو سکے تھے۔ اس کے بعد لوگوں کو رخصت فرما دیا کہ جنگ کے لیے تیار رہو۔ اور چند ہزار جوانوں کو مقرر فرمایا۔ کہ دو گروہوں میں بھڑائچ سے، چوکی کے طور پر کفار کے لشکر سے مقابلہ میں رہو۔ خود خلوت میں چلے گئے اور شغلِ باطن میں مشغول ہو گئے۔ اب انہوں نے روٹی پانی ترک فرما دیا۔ صرف (تنبول کے پتے) کھاتے تھے اور عطر لگاتے۔ جب وقت شہادت قریب آ گیا سلطان الشہدا کو دریائے وحدت (میں غوطہ لگانے) اور وصالِ یار کا ذوق وشوق فزوں تر ہو گیا۔ جیسا کہ کسی عزیز نے کہا ہے کہ

وعدہ وصل چوں شود نزدیک
آتشِ شوق تر مر گردد
(جب وصل کا وعدہ قریب آتا ہے تو شوق کی آگ تیز تر ہو جاتی ہے)

القصہ مورخہ 13 رجب 424ھ صبح کاذب کے وقت، کفار کا لشکر سلطان الشہدؒ کی چوکی پر آ پہنچا۔ وہاں پروانہ وار (نثار ہونے والے) بہادر موجود تھے۔ جنگ شروع کی اور سلطان الشہدؒ کو خبر دی۔ سالار مسعودؒ نے نقارہ بجوایا تو لشکر آ موجود ہوا۔ سب امرا اور جوانان سوار ہو کر دربار میں حاضر ہو گئے۔ فرمایا کہ آپ (چوکی کے دستے) کی امداد کے لیے پہلے چلیں میں بھی آپ کے پیچھے پہنچتا ہوں۔ بعد ازاں پانی طلب فرمایا۔ طہارتِ کامل کے بعد شاہانہ لباس زیبِ تن فرمایا جو بہت قیمتی اور آراستہ تھا عطر بھی بہت سا استعمال فرمایا۔ خنجر و شمشیر حیدری کمر میں باندھی ان کا مطلوب تو فقط شہادت تھا اور ان کے دل پر اس کی حقیقت ظاہر ہو چکی تھی۔ اس دن کوئی اسلحہ اور جوشن (زرہ بکتر) وغیرہ نہیں پہنا۔ اور نماز فجر وہیں ادا کر کے خوشی خوشی باہر تشریف لائے شاندار گھوڑا جو عراق کے تحائف میں سے تھا، منگوایا کہ جسے آراستہ زین اور لگام سے مزین کیا گیا تھا۔ سوار ہو کر لشکرِ کفار کی طرف متوجہ ہوئے۔

جب شہر سے باہر نکلے تو فوج کو ترتیب دی اور کچھ کو دائیں کچھ کو بائیں۔ بعض کو آگے بعض کو عقب پر متعین کر کے روانہ ہوئے جب سورج کنڈ کے باغ کے قریب پہنچے تو بہت خوش ہوئے نئے لگے ہوئے درخت اور کھلے ہوئے پھولوں سے بہشت کا نمونہ نظر آ رہا تھا۔ سلطان الشہدؒ کو چونکہ کلچان کے درخت

کے نیچے باطنی طور پر مدفن دکھایا گیا تھا۔ جس وقت اس جگہ پہنچے تو بڑے ذوق و شوق سے اس جگہ تشریف لے گئے۔ اس وقت کلچان کے درخت تلے دولت و اقبال مندی سے کھڑے ہوئے اور فوج جنگ میں مشغول ہوئی۔ صبح سے نماز مغرب تک گھمسان کی جنگ ہوئی اور دونوں طرف سے ہزاروں آدمی مارے گئے۔ کوئی بھی فریق پیچھے ہٹنے پر تیار نہ ہوا اور دونوں لشکر تمام رات جنگ میں مصروف رہے جب صبح ہوئی۔ دوبارہ نقارہ جنگ بجائے گئے اور بہادر جوان پروانہ وار جنگ میں کود پڑے۔ انہیں شوق شہادت کے علاوہ کچھ مطلوب نہ تھا ایسے ہی کمالِ عشق میں ڈوبے تھے کہ جیسے پروانہ جلے بغیر نہیں رہتا۔

کفار کا لشکر بے شمار تھا۔ ہر طرف سے چڑھ آیا۔ لشکر اسلام ہر چند کم تعداد جیسے آٹے میں نمک تھا ہر طرف سے جمع ہو کر مقابلہ میں آیا۔ اور شہادت کا مقام پایا اکثر بڑے بڑے امیر اور لاتعداد فوجی شہید ہو گئے۔ اس دن صبح سے نماز ظہر تک لشکر اسلام کے دو حصہ نے جام شہادت نوش کیا۔ ایک حصہ جو بچ گیا تھا اس نے بھی غلبۂ محبت الٰہی میں جنگ سے منہ نہ موڑا۔ جب سلطان الشہداؒ کی خدمت میں یہ خبر پہنچی کہ سالار سیف الدین شہید ہو گئے اور فلاں فلاں امرا بھی شہادت کے انجام کو پہنچے تو خوش ہوئے اور فرمایا کہ الحمد اللہ کہ مطلوب حقیقی سے پیوست ہو گئے۔ میں بھی ان کی ہمراہی میں دم بدم پہنچتا ہوں۔ پھر اس کے بعد فرمایا کہ سالار سیف الدین اور دیگر دوستوں کو دفن کر دیں۔ سالار سیف الدین کو دفن کر کے عرض کیا گیا کہ کفار غالب آ رہے ہیں اور ہمارا تمام لشکر جام شہادت نوش کر چکا ہے (اس حال میں) جنگ میں مشغول رہیں یا شہیدوں کو

دفن کریں وقت بہت نازک ہے۔ پس فرمایا کہ شہیدوں کو سورج کنڈ میں لا کر ڈالیں کہ ان کی شہادت کی برکت سے، کفر کا اندھیرا اس جگہ سے قیامت تک دور ہو جائے۔ ایسا ہی کیا گیا۔ جب وہ حوض شہیدوں سے پر ہو گیا۔ تو فرمایا کہ شہدا کو کنوؤں میں ڈال دیں تا کہ کفار کے ہاتھ ان کے اجسام کو نہ لگیں۔ اور ان کی بے حرمتی نہ ہو۔ اس کے بعد سلطان الشہدؒا گھوڑے سے اترے اور تازہ وضو کیا اور حضورِ دل سے نماز ظہر ادا فرمائی۔ لاتعداد شہدا جو حوض (سورج کنڈ) اور کنوؤں میں تھے، پر نماز جنازہ ادا کی اور ان کی ارواح پر فاتحہ پڑھی۔ پھر گھوڑے پر سوار ہو کر باقی بچے ہوئے تمام بہادروں کے ساتھ کفار کی فوج پر جا پڑے۔ وہ فوج جو پہاڑ کی طرح نظر آتی تھی ایک بار تو مغلوب ہو گئی۔ جیسے کہ سورج کے نکلنے سے برف کے تودے پگھلنے لگتے ہیں۔ اکثر راجگان کی جمعیت کو سالار سیف الدین تہِ تیغ کر چکے تھے۔ جو باقی بچے ہوئے تھے وہ سلطان الشہدؒا کے قہر کا نشانہ بنے۔ کفار جو غلبہ کر کے آئے تھے اپنی جگہوں کی طرف چلے گئے۔ سلطان الشہدؒا بھی اپنی جگہ پر کھڑے ہو گئے۔ جس طرف بھی نظر کرتے تھے کو مقتولین کے سوا کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ بعض زخمی تھے۔ بعض جانکنی کے عالم میں بعض بے جان اور بعض لوگ جو سلامت رہ گئے تھے وہ (موت و حیات کی کشمکش کے عالم میں تھے۔

اس قدر (تکلیف دہ) حالات دیکھ کر بھی سلطان الشہدؒا کے چہرہ پر غلبہ شوقِ الٰہی کی وجہ سے کوئی تغیر ظاہر نہیں ہوا بلکہ ذوق بڑھ گیا تھا صرف، استغنائے الوہیت نے ان کے دل پر تجلی فرمائی تھی۔ حالانکہ آدمی کو ایسے

حالات میں اس قسم کی بلند پروازی ممکن نہیں۔ اب بھی اس واقعہ کو سننے پر جگر لرز اٹھتا ہے مگر آفریں ہے اس شخص (سلطان الشہداؒ) کی استقامت پر کہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر بھی اپنے حال میں رہے۔

القصہ راجہ سہر دیو اور راجہ بہر دیو اور بعض دوسرے راجگان اپنی فوج کے ساتھ ایک طرف کھڑے تھے۔ جب دیکھا کہ لشکر اسلام تھوڑا رہ گیا ہے تو اکٹھے ہو کر سلطان الشہداؒ کی فوج پر حملہ آور ہوئے۔ اس محبوب رب العالمین کے ساتھ چند لوگ رہ گئے تھے اور باغ کے درمیان ان کے گرداگرد کھڑے تھے۔ کفار نے چاروں طرف سے یلغار کی۔ اور تیر اندازی شروع کی عصر کے اول وقت میں ماہِ رجب کی چودہ تاریخ (424ھ) تیر قضا سلطان الشہداؒ کے گلے کو آن لگا۔ آفتاب جیسا چہرہ، ہلال کی طرح سفید ہو گیا۔ کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے گھوڑی سے اتر آئے۔ سکندو دیوانہ اور دوسرے خدمت گاروں نے اس محبوب الٰہی کو پکڑ کر کلچان کے درخت کے نیچے بستر پر لٹا دیا۔ زخم سے گردن مبارک ٹیڑھی ہو گئی تھی۔ سکندر دیوانہ نے رخ مبارک قبلہ رو کر دیا۔ اور سر مبارک کو اپنے زانو پر رکھ کر بیٹھ گیا اوزار و قطار رونے لگ گیا۔ سلطان الشہداؒ نے ایک مرتبہ آنکھ کھولی اور تبسم فرمایا۔ کلمہ ''ھُو'' اپنی زبان پر لائے اور جان مشاہدہ حق میں تسلیم کی۔ خواجہ حافظؒ نے اس مقام کے لیے کہا ہے۔

ایں جان عاریت کہ بحافظ سپرد دوست
روزے رخش بہ بینم و تسلیم وے کنم

یہ جان جو دوست نے حافظ کو عاریتاً (امانتاً) سپرد کی تھی۔ جس دن اس کا

چہرہ دیکھوں اس کو پیش کر دوں (گا)۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ موت ایک پل ہے جو دوست کو دوست تک پہنچاتی ہے (الموت جسر لیوصل الحبیب الی الحبیب) اس وقت یہ حدیث ان کے حال کے عین مطابق ہوگئی۔

سالِ ولادت اور عمر اور سالِ شہادت یہ ہے۔

محبوبِ خدا بود امیر مسعود
درچار صد پنج درآمد بود
تا موتِ بست درجہاد فزود
درچار صد و بست چہار رحلت فرمود

اللہ کے محبوب تھے (امیر مسعود) چار سو پانچ میں پیدا ہوئے۔ بیس سال جہاد میں بسر فرمائے اور 424 میں رحلت فرما گئے۔

الغرض مخلوق نے ہائے ہائے کا نعرہ بلند کیا۔ روئے اور شمشیریں لہراتے ہوئے کفار کی فوج پر جا پڑے اور شہید ہو گئے۔ کفار چاروں طرف اپنی جگہ پر کھڑے (نیزے، تیروں کی طرح پھینکتے رہے) تا آنکہ بوقت نمازِ مغرب ایک شخص بھی زندہ نہ بچا۔ تمام لوگ اور خدمت گار گرداگرد (شہید ہو کر) پڑے تھے۔ سکندر دیوانہ جو سلطان الشہدؒ کا سر زانو پر لئے بیٹھا تھا کو کچھ تیر متواتر سینہ پر آ کر لگے مگر اس کے کمالِ عشق کا یہ عالم کہ اس محبوب رب العالمین کے سر کو جو زانو پر رکھا تھا ذرا سی بھی جنبش نہ دی۔ اور اپنی جان محبت میں نثار کر دی یہ سکندر دیوانہ فقیر تھا۔ سر، پیر سے ننگا۔ سلطان ابراہیم ادھمؒ کے سلسلہ (جسے

ادھمیاں کہتے ہیں) میں سر اور پیر سے ننگا رہا جاتا ہے۔ سلطان الشہداؒ سے بے حد محبت تھی۔ ایک لاٹھی ہاتھ میں رکھتے تھے اور ہمیشہ سلطان الشہداؒ کے پیچھے چلتے تھے۔ البتہ بے لوث محبت کے سبب، مصاحب اور امرا سے زیادہ قرب رکھتے تھے۔ آپ کی گھوڑی کو بھی چند تیر آ کر لگے وہ بھی وہیں ڈھیر ہو گئی۔

بعد میں کافر باغ میں گھس آئے۔ چونکہ رات ہو چکی تھی۔ بہت تلاش کیا مگر سلطان الشہداؒ کا جسدِ مبارک ہاتھ نہ آیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی نگاہ ناپاک سے اسے پوشیدہ رکھا۔ راجہ سہر دیو چاہتا تھا کہ رات یہیں ڈیرہ لگائے لیکن دوسرے کفار نے کہا کہ جہاں مسلمانوں کا خون گرا ہے وہاں ہمارا رہنا مناسب نہیں۔ فی الحال ہمیں اپنے لشکر کی خبر لینی چاہیے کہ کتنا قتل ہو گیا اور کتنا بچا ہے۔ کل واپس یہاں آئیں گے۔ پس کفار واپس اپنے مقام (ڈیرہ) پر چلے گئے۔ چند مسلمان جو زخمی تھے۔ خالی وقت دیکھ کر اٹھے اور بھڑائچ کی طرف روانہ ہو گئے۔ کہ اس سانحہ جانکاہ کی خبر میر سید ابراہیم کو سنائیں۔ میر سید ابراہیم کو سلطان الشہداؒ نے ایک سواروں کی جماعت اور ملازموں کے ساتھ بھڑائچ میں ڈیرہ پر چھوڑا تھا کہ ایسا نہ ہو کہ کفار کسی طرف سے حملہ آور ہوں۔ القصہ جو دو تین زخمی تھے وہ بھی شہر (بھڑائچ) روانہ ہو گئے تو باغ میں سوائے شہدا کے کوئی زندہ آدمی موجود نہ رہا مگر سگِ سنگھل (کُتا) زندہ تھا اور جب دوپہر رات کے گذرے تو گیدڑ ظاہر ہو گئے۔ سگِ مذکور سلطان الشہداؒ کے جنازہ کے قریب کھڑا تھا۔ جس طرف سے گیدڑ آتے اسی طرف آواز نکالتا (بھونکتا) ہوا دوڑتا تھا۔ اس طرح اس نے شہدا کی حفاظت کی۔ یہ سگ سنگھل، اصحاب کہف کے

کتے کی مانند تھا۔

القصہ جب اس محبوب رب العالمین کی شہادت کی خبر میر سید ابراہیم کو ملی اس جگر سوز قصہ کو سن کر جسم پر لرزہ آیا۔ اور بے ہوش ہو گئے وہ میر مذکور، سلطان الشہدؒ کے ہم خیال اور ہم عمر تھے۔(1) بے حد خوبصورت تھے اور سلطان الشہدؒ ان سے محبت کا سلوک کرتے تھے اور بہت دوست رکھتے تھے۔ کچھ دیر میں جب ہواس بحال ہوئے تو تمام لوگوں کو اپنے سامنے طلب فرمایا اور کہا کہ ہم سلطان الشہدؒ کی محبت میں اس ملک میں آئے تھے۔ ان کے ساتھ ایسا واقع (شہادت) پیش آیا ہے اب ہم کہاں جائیں اور کسے منہ دکھائیں۔ مرنے کے علاوہ اور کوئی خیال دل میں نہیں آتا۔ اگر میرا ساتھ دیتے ہو تو بہتر ورنہ آپ (سب) کو خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ یہ کہا اور سواری طلب کی۔ جو لوگ آپ کے ہمراہ تھے انہوں نے گزارش کی کہ ہمارا اور آپ کا ایک ہی قرار (فیصلہ) ہے۔ لیکن رات میں کہاں جائیں گے۔ جب صبح ہو گی تو سوار ہو جایئے گا۔ تا کہ دن کی روشنی میں جان کی بازی لگائیں۔ اس طرح مشورے سے رات ٹھہر گئے مگر نیند آنکھوں سے دور تھی۔ شام سے رات بھر گریہ زاری میں وقت گزرا آخر شب (نیند کا) غلبہ ہوا تو خواب دیکھا کہ ایک پہاڑ کی مانند بلندی پر ایک بساط بچھی ہے جو جنت کے پھولوں سے سجی ہوئی ہے اور لشکر کے تمام آدمی جو شہید ہو چکے ہیں، موجود ہیں اور نفیس اور مزین لباس پہنے ہوئے خوش وخرم ایک دائرہ میں بیٹھے ہیں اور درمیان میں سجے ہوئے جڑاؤ تخت پر سلطان الشہدؒ سرخ لباس زیب تن کئے جلوہ افروز ہیں۔ سر پر چتر شاہی لگا ہے۔ میر سید ابراہیم نے

(1) فارسی نسخہ (جھوجھ) میں فارسی مٹی ہوئی ہے ایک ترجمہ میں چچا اور دوسرے میں ہم خیال و ہم عمر لکھا ہے۔

ہر طرح کوشش کی کہ بلندی پر اس محبوب الٰہی کی خدمت میں حاضر ہوں مگر ممکن نہ ہوا۔ (اس بات سے) وہ مضطرب ہوئے۔ اس وقت سلطان الشہدؒ نے فرمایا کہ ابھی آپ اس مجلس کے قابل نہیں ہوئے انشاء اللہ کل مجلس میں داخل ہونگے پھر سلطان الشہدؒ تمام لوگوں کے ہمراہ اٹھ گئے۔ سواری کے لیے گھوڑے حاضر کئے گئے۔ محبوب الٰہی سفید گھوڑی پر سوار ہوئے ایک طرف چلے میر سید ابراہیم پیچھے دوڑے کہ بندہ کے لیے کیا حکم ہے۔ فرمایا کہ میرا وجود ظاہری باغ میں پڑا ہے کلچان کے درخت کے نیچے دفن کر دیں اور سکندر دیوانہ کو بھی میرے برابر دفن کریں اور سواری کے گھوڑے کو جہاں پڑا ہے مٹی میں چھپا دیں اور دیگر دوستوں کو بھی جہاں تک ممکن ہو دفن کریں اور کافر سہر دیو کو قتل کریں۔ آپ کا کام ختم ہو جائے گا میر سید ابراہیم خواب سے بیدار ہوئے تو اس عالم باطن کے ذوق سے جو خواب میں دیکھا تھا ایک لمحہ بھی اس جہان میں رہنا دشوار ہو رہا تھا۔ اسی وقت غسل کیا اور پاک کپڑے زیب تن کئے۔ سوار ہو کر لشکر کے بیلداروں کو ساتھ لیا اور اپنی جمعیت کے ہمراہ میدان شہادت میں پہنچے۔ سلطان الشہدؒ کو لباس اور اسلحہ کے ساتھ بیٹھنے والے چبوترہ پر کلچان کے درخت کے نیچے دفن کر دیا۔ سکندر دیوانہ کو بھی حسب اشارہ باطن ان کے برابر دفن کر دیا اور گھوڑی کو بھی اور اکثر لاشیں جو جا بجا پڑی تھیں، کو بھی زمین میں چھپا دیا اور بے شمار شہدا جو سورج کنڈ میں ڈالے گئے تھے ان پر مٹی کا تودہ بنا کر کافروں کی نظر سے پوشیدہ کر دیا۔ اس تاریخ سے زیارت گاہ کفار سورج کند، برطرف ہوگئی سلطان الشہدا کی بات پوری ہوئی اور حق تعالیٰ نے کفر کی کان کو اسلام کے نور سے منور کر دیا۔

الغرض میر مذکور اس کام سے فارغ ہوئے تو اسی وقت کفار کو خبر پہنچی کہ لشکر اسلام ابھی بھی میدانِ جنگ میں کھڑا ہے۔ راجہ سہر دیو سانپ کی طرح بل کھاتے ہوئے مسلح فوج کے ساتھ جنگ کے لیے متوجہ ہوا۔ جونہی لشکر کفار نمودار ہوا سید ابراہیم نے ایک قبر سکندر دیوانہ کے ساتھ اپنے لئے تیار کرالی اور میدان میں آگئے دنوں طرف کے جوان جنگ میں مشغول ہوئے۔ عظیم جنگ ہوئی۔ میر ابراہیم نے اپنا گھوڑا دوڑا دیا۔ دوسری طرف سے راجہ سہر دیو بھی برآمد ہوا۔ اتفاقاً میر مذکور نے راجہ سہر دیو کو تہِ تیغ کیا اور ہلاک کر دیا اور خود بھی شہید ہو گئے۔ میر مذکور کے ساتھیوں نے لاش اٹھا کر باغ میں پہنچائی اور حسبِ وصیت اس قبر میں جو خود بنوائی تھی میں سپرد خاک کر دیا۔ تمام ساتھی بھی شہید ہو گئے اور کوئی بھی زندہ نہ بچا۔ اور دوسری طرف کے بھی بہت سے آدمی مارے گئے۔ چند خدمت گار اور سلطان الشہداؒ کے دو تین غلام جو زخمی تھے جب تندرست ہوئے تو عمر بھر آستانہ کی جاروب کشی کرتے رہے۔ سید حاجی احمد اور سید حاجی محمد جو مقربان سالار ساہو تھے۔ اور ستر کھ میں رہ گئے تھے کچھ مدت کے بعد بھڑائچ آگئے اور خدمت آستانہ عالیہ میں مشغول ہوئے۔ چوں کہ ہر دو عزیز ان کو سلطان الشہداؒ سے کمال کی محبت تھی اس لیے تمام عمر آستانہ عالیہ کی خدمت میں صرف کر دی اور سلطان الشہداؒ کی باطنی شفقت بھی کم نہ تھی۔ اس محبوب رب العالمین کی مہربانی عام ہے کہ ابھی بھی اپنے آستانہ کے مجاوروں پر ان کی خدمت اور اخلاص کی وجہ سے، بیٹوں سے زیادہ مہربانی کی جاتی ہے۔ سلطان الشہداؒ کی نذر نیاز آستانہ کے مجاوروں کے علاوہ کسی کو دینی جائز نہیں۔

القصہ جب یہ فقیر مذکورہ تاریخ کے مطالعہ سے قبل حسب الحکم نور الدین محمد جہانگیر بادشاہ بن اکبر بادشاہ، شمال کے پہاڑوں کے دامن میں گیا تھا۔ اچارج منی بہدر نام کے ہندو زنار پوش جو اس طرف کے پہاڑوں کے راجہ کا وکیل تھا، سے ملاقات ہوئی۔ اتفاقاً سلطان الشہدؒ کا ذکر آیا۔ اچارج مذکور، ہند کی تاریخ میں مکمل مہارت رکھتا تھا۔ سلطان الشہدؒ کے ہندوستان آنے کے وقت سے شہادت کے واقعہ تک اور ان تمام جنگوں، جو انہوں نے کفار سے کی تھیں کی تفصیل اپنی تاریخ میں لکھی تھی۔ اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ سہر دیو، سالار مسعود کو شہید کر کے جب اپنے ڈیرہ پر آیا تو آدھی رات کے وقت سالار مسعود اس کو خواب میں ملے اور کہا کہ مجھے مار کر تم چاہتے ہو کہ زندہ واپس چلے جاؤ یہ مردوں والے کام نہیں۔ بس اس خواب سے راجہ سہر دیو کو غیرت آئی۔ صبح میدانِ جنگ میں آیا اور مارا گیا۔ چنانچہ چند سال بعد جب ملا محمد غزنوی کی تصنیف شدہ تاریخ میرے ہاتھ لگی تو اسی طرح واقعات لکھے ہوئے پائے جس طرح اس ہندو زنار پوش کی تاریخ میں تھے۔ اس نے کہا کہ وہ راجہ کہ تمام پہاڑوں پر جس کی حکومت تھی راجہ سہر دیو کی اولاد سے ہے جو تاریخ ہندی میں نے اسی کی سرکار میں دیکھی تھی۔ الغرض یہ تحریر تمام لوگوں کے خیال سے تحریر کی گئی۔ خاص لوگوں کے لیے وہی کافی ہے جو دیباچہ میں لکھا جا چکا ہے۔ انہ یعلم الجہر وما یخفیٰ (وہی ہے جو ظاہر کو بھی جانتا ہے اور جو پوشیدہ ہے اس کو بھی) سلطان محمود غازیؒ (غزنوی)، سالار مسعود کی شہادت سے قریباً دو سال قبل ہی رحلت فرما گئے تھے۔ اس وقت سالار ساہو کاہلر سے سترکھ کی طرف متوجہ

ہوئے تھے (یعنی گئے تھے) اسی سال سلطان مذکور جمعرات کی رات 23 ربیع الآخر 421ھ فیروزی باغ غزنی میں مدفون ہوئے۔ تاریخ فیروز شاہ (کلاں) میں لکھا ہے کہ سلطان محمودؒ کے وصال کے بعد ان کا چھوٹا بیٹا سلطان محمد غزنی میں تخت غزنی نشین ہوا۔ بڑا بیٹا مسعود شہید، عراق میں تھا۔ اس نے لشکر جمع کر کے غزنی کا رخ کیا۔ سلطان محمودؒ کے درباری امراء، اندر سے مسعود سے متفق تھے سلطان محمد کو قید کر دیا گیا اور آنکھوں میں سلائی پھیر دی۔ اور مسعود شہید کو تخت غزنی پر بٹھایا۔ بعد میں مسعود نے اسے (سلطان محمد) قتل کر وا دیا۔ اور اپنے باپ کے ملک پر قابض ہو گیا۔ کچھ سالوں بعد سلجوقیوں نے بغاوت کر دی مسعود شہید نے ان سے جنگ کی۔ تین دن رات کی لڑائی میں سلجوقی غالب آئے۔ تو وہ (سلطان مسعود) وہاں نہ رہ سکے۔ غزنی کے خزانے ساتھ نہ لے سکا اور ہندوستان کی طرف روانہ (بھاگ) ہو گیا۔ ہندی اور ترکی ملازموں نے اسے قید کر لیا اور محمد نابینا کے اتفاق سے اسے قتل کر دیا اس کی عمر 45 سال تھی اور اس نے نو سال حکومت کی۔ اس کی شہادت کے بعد سلطان محمد بصیر کو پھر تخت پر بٹھایا۔ سلطان مودود بن مسعود شہید غزنی میں تھے باپ کی شہادت کی خبر سن کر غزنی کے تخت پر بیٹھا اور انتقام کے لیے فوج جمع کی اور محمد بصیر جو اس کا چچا تھا کے سر پر پہنچا۔ مودود اور محمد کے درمیان جنگ ہوئی۔ حق تعالیٰ نے مودود کو فتح عطا فرمائی اور محمد کو گرفتار کر لیا۔ مودود نے محمد اور اس کے بیٹوں کو قتل کیا اور باپ کا بدلہ لے لیا اور باپ کے قاتلوں کو جو ترک اور تاجک تھے سب کو تہ تیغ کر کے اپنے باپ کے ملک پر اپنا تصرف قائم کیا۔ نو سال حکمرانی کی اور اللہ کی رحمت

سے جا ملے (یعنی رحلت ہوئی) اس کے بعد چند دن سلطان علی بن مسعود شہید تخت پر بیٹھا۔ دو ماہ حکومت کی۔ بعد میں سلطان عبدالرشید بن محمد بصیر تخت سلطنت پر بیٹھا جو چھ ماہ رہا۔ اس کے بعد طغرل ملعون جو سلطان محمودؒ غازی کا غلام تھا تخت نشین ہوا اور سلطان محمودؒ کے خاندان کو تباہ و برباد کر دیا۔ سلطان عبد الرشید اور کئی شاہزادگان کو اکٹھا کر کے قتل کر دیا۔ چالیس دن تخت پر قابض رہا آخر ایک محمودی ترک نے اسے بھی قتل کیا۔

الغرض جس دن سے سلطان الشہداؒ نے غزنی چھوڑا، محمود حکومت میں انتشار پیدا ہوا اور خود بخود ہلاکتیں ہوتی گئیں۔ اس حکایت کو طول دینے سے مقصد یہ ہے کہ اکثر لوگ مسعود شہید بن محمودؒ کو تاریخ میں دیکھتے ہیں تو اسے سلطان الشہداؒ سالار مسعود خیال کرتے ہیں معاذ اللہ۔ وہ مسعود تھے اور یہ محبوب رب العالمین مسعود غازی۔ (دونوں میں) کیا نسبت ہے اور کیا ہمسری ہے سلطان الشہدا سالار مسعود کے غلاموں اور ان کے درمیان؟ اس نے ملک میں ظاہری حکومت نو سال تک کی جبکہ سلطان الشہداؒ تمام ملکِ ظاہر و باطن کے قیامت تک تاجدار ہیں۔ اور ابھی تک ملک کے بادشاہ ان کے آستانہ کی خاک پاک ملتے اور ظاہر و باطن کے فیوض حاصل کرتے ہیں اور قیامت تک ان کی ولایت کے تصرف سے خلقِ خدا بہرہ مند ہوتی رہے گی۔ سبحان اللہ۔ وہ محبوب رب العالمین، ذوقِ الٰہی میں پیدا ہوئے اور ذوق مشاہدہ حق میں جان دے کر دوست کے ہم رنگ ہو گئے۔ جو کوئی صفت حق سے موصوف ہوا تو اس حالت کا لازمہ ہے کہ بادشاہ جہاں بلکہ جہانوں کا بادشاہ ہو جائے اور خاص و عام کو فیض پہنچائے۔ کسی بزرگ نے کیا خوب کہا ہے

هر کرا شد ذوقِ عشق او پدید
زود یابد ہر دو عالم راکلید

(جس کو اس کے عشق کا ذوق ہو جاتا ہے تو اسے جلدی ہی دونوں عالم کی چابی مل جاتی ہے)

ہر کہ مستِ عالم عرفان گشت
بر ہمہ خلق جہاں سلطان گشت

(جو کوئی عالمِ عرفان کا مست ہو جاتا ہے وہ تمام مخلوق پر اسی طرح سلطان ہو جاتا ہے)

القصہ سلطان الشہداؒ کی شہادت کے بعد مظفر خان بھی فوت ہو گیا اور اس کے بیٹوں کو کفار نے اجمیر شریف سے بے دخل کر دیا اور بت پرستی کو رواج دے دیا ملک ہندوستان میں کفر اور بت پرستی پھیل گئی۔ ایسا دو سو سال رہا۔ اس زمانہ میں قطب المشائخ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کو عین طواف کعبہ کے دوران غیب سے آواز آئی کہ مدینہ (منورہ) جاؤ۔ جب وہاں پہنچے تو پیغمبر ﷺ نے خواب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ملک ہند آپ کے حوالے کر دیا ہے۔ جائیے اور اجمیر میں قیام فرمایئے۔ انشاء اللہ اس ملک میں، آپ اور آپ کے مریدوں کے تصرفات ولایت کی وجہ سے اسلام کو رواج ہو گا۔ پس حضرت خواجہؒ، راجہ پتھورا کے عہد میں اجمیر تشریف لائے۔ اور اپنے ولایت کے تصرف کے غلبہ سے اجے پال جوگی کو جو راجہ پتھورا کا پیر تھا، کو اپنا مرید کیا لیکن ابو جہل کے ثانی پتھورا کے دل سے کفر کا اندھیرا دور نہ ہوا بلکہ حضرت خواجہؒ کے غلاموں سے عناد و عداوت کرتا رہا۔ پس حضرت خواجہؒ نے اس بد باطن کافر کو بد دعا دی۔(1)

دوسری مرتبہ سلطان معز الدین سام المعروف شہاب الدین غوری غزنی کی

---

(1) کچھ متن نسخہ فارسی سے غائب ہے۔ شاید کتابت میں رہ گیا ہے دوسرے تراجم میں حضرت خواجہؒ کی بد دعا کا ذکر ہے جو درج کر دیا گیا ہے۔

طرف سے آئے اور پتھورا کو دہلی کے میدان میں قتل کیا اور قطب الدین ایبک کو اس کافر کی جگہ دہلی کے تخت پر بٹھا کر غزنی واپس گئے۔ قطب الدین ایبک نے حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی امداد باطنی سے سارے ملک ہندوستان پر تصرف حاصل کیا اور جگہ جگہ کفار کو برطرف کر کے مسلمانوں کو بسایا اور میر سید حسین مشہدی کہ سید حسین خنگ سوار کے نام سے مشہور ہیں کو حاکم اجمیر بنایا میر مذکور کو حضرت خواجہؒ سے نہایت عقیدت اور اخلاص تھا۔ اکثر کفار جو اجمیر کے نواح میں تھے میر سید حسین کی بدولت حضرت خواجہؒ کے ہاتھ پر اسلام سے مشرف ہوئے پھر میر سید حسین بھی اجمیر میں شہید ہو گئے اور پرانا قلعہ اجمیر میں مدفون ہوئے اور ان کا مزار مشہور ہے اور زیارت گاہِ خلق ہے۔ پس اس وقت کے بعد ہندوستان میں کوئی کافر بادشاہ نہیں ہوا۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیارؒ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ درویشوں کی بد دعا سے پناہ میں رکھے۔ میں اس وقت موجود تھا جب حضرت خواجہؒ نے پتھورا کے لیے بد دعا کی تھی کہ یہ کافر لشکر اسلام کے ہاتھوں ہلاک ہو اور خدا سے درخواست کی کہ اس کے بعد کوئی کافر ہندوستان میں بادشاہ نہ بنے چنانچہ حضرت خواجہؒ کا تصرف اور کرامت سورج کی طرح روشن ہے۔

الغرض کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ سلطان الشہداؒ، حضرت خواجہؒ کے دور میں آئے، یہ بالکل غلط ہے۔ معتبر کتابوں میں بتحقیق ثابت ہے کہ سلطان الشہداؒ، حضرت ابو محمد چشتیؒ کے ہم عصر ہیں اور حضرت قطب المشائخ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ سے بہت پہلے ہندوستان تشریف لائے اور شہادت پائی۔ کم و بیش دو سو سال کا فرق ہے جیسا کہ سالار مسعودؒ کی سن شہادت اوپر مذکور ہوئی (424ھ) اور حضرت خواجہ نے 632ھ میں وصال فرمایا۔

واللہ عالم بالحقیقت والصواب

داستانِ پنجم:

سلطان الشہداءؒ کی شہادت کے بعد ان کی اظہار کرامات کے بیان میں اور روضہ پاک کی تعمیر اور بعض دوسرے حالات اور محبوب رب العالمین کے خوارقِ عادات

جب ملک ہندوستان کفر کی ظلمت کے غلبہ، بے روح جسم کے مانند تھا اور کوئی رونق (ایمانی) نہ تھی تو حق سبحانہ وتعالیٰ نے چاہا کہ اسے نور اسلام سے زندہ کرے اور رونق بخشے۔ پس وجود حضرت سلطان الشہداؒ کی ظاہری صورت اور معنوی (باطنی) صفات سے اس ملک کو منور فرمایا۔ چنانچہ پہلے جسمِ آدم جماد کی طرح پڑا تھا اور کوئی پوچھنے والا نہ تھا۔ تو روح خداوندی نے اول ان کے دل میں جگہ کی اس کے بعد نیچے کی طرف ناف کے برابر اقامت اختیار کی۔ اس وقت چھینک آنے سے تمام وجود میں سرایت کر گئی اور زندہ ہو گئے پھر نور اور رونق ان پر متجلی ہوئی تو لاچار سب ملائک سر بسجود ہو گئے۔ پس ملک ہند کی زمین کی تقسیم میں دہلی ملک ہند کا دل ہے، سترک ہند کے ملک کی ناف اور ملک فردوست (موجودہ کانپور) ملک کے پاؤں۔ سلطان الشہداؒ بھی روح کی طرح اوپر کی طرف سے آئے اور دہلی کو فتح کیا۔ پہلے ملک کے دل میں ٹھہرے بعد میں سترک کی ناف میں پہنچے اور بھڑائچ یعنی ملک ہندوستان کی ناف کے برابر، قیامت تک مکین ہوئے۔ ان کے وابستگان اقلیم ہند کے تمام اجزائے وجود میں مقیم ہو گئے۔ کوئی قصبہ یا قریہ اس ملک مذکور میں ایسا نہیں جہاں ان (سلطان الشہداؒ) کے وابستگان سے کوئی نہ کوئی اسودہ

خاک نہ ہو۔ جس وقت سلطان الشہدؒ نے شراب شہادت کا جام نوش فرمایا ان کے وابستگان تمام ہندوستان میں جہاں بھی موجود تھے ہر جگہ شہید ہوئے اور ہر مقام کو نورِ شہادت (یا نور اسلام) سے منور کر گئے پس اس وقت سے نور اسلام تمام ملک میں پھیلا اور شرک و کفر کو باہر کر دیا۔ تمام ملک ہندوستان مشرق سے مغرب تک ولایت سلطان الشہدؒ کے نور سے منور ہو گیا۔ اور تمام مخلوق آپ کے متبرک اور مطہر آستانہ پر سجدہ ریز ہوئی ایک بزرگ نے کیا خوب کہا۔

بر زمینی کہ نشان کفِ پای تو بود

سالہا سجدہِ صاحبِ نظران خواہد بود

(جس زمین پر آپ کے پاؤں کے نشان ہوں وہ مدت مدید تک صاحب نظر لوگوں کی سجدہ گاہ بنی رہتی ہے)

حق تعالیٰ سبحانہ، نے ملک ہندوستان کو ایسا بنایا کہ اتنے شہدا اور اولیا کو اس ملک مذکور میں چھوڑا کہ قدم بقدم لوگ بے اختیار ان کے آستانوں کی خاک ملتے ہیں اور ظاہری و باطنی فیض حاصل کرتے ہیں۔ ایک وقت یہ فقیر چلہ میں بیٹھا تھا کہ دل میں خیال گزرا کہ سلطان الشہدؒ کو بارگاہِ خداوندی میں کتنا قرب حاصل ہے۔ کئی دن یہی فکر دل کو لگی رہی تو رمضان کے آخری عشرہ میں خواب دیکھا کہ جیسے یہ فقیر خانہ کعبہ کی زیارت کے لیے گیا ہوا ہے اور مناسک ادا کیے بعد میں دیکھتا ہوں کہ کعبہ کے درمیان ایک قبر ہے۔ حیران ہو گیا کہ آخر یہ کون ہے۔ ایک مرد عربی سفید پراہن اور سبز (جبہ) پہنے ہوئے دستار باندھے ہوئے ہیں۔ فقیر کے دائیں ہاتھ پر کھڑا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ مرد، کعبہ کا مجاور ہے۔ اس کی طرف گیا

تواس مردِ عرب نے کہا کہ یہ قبر اللہ کے محبوب کی ہے۔میں پہلے سے بھی زیادہ حیرت زدہ ہو گیا۔اور قبر کی طرف متوجہ ہوا۔کھڑا تھا کہ ایک ساعت کے بعد سلطان الشہداؒ اس قبر سے برآمد ہوئے۔فقیر اس محبوب رب العالمین کی قدم بوسی سے مشرف ہوا اور ساتھ چلا تو کعبہ کے دروازے سے باہر آئے تو سواری کے گھوڑے ان کے لیے حاضر کئے گئے۔ایک پر خود سوار ہو گئے اور دوسرا اس فقیر کو مراحمت فرمایا اور روانہ ہو گئے۔فقیر بھی ساتھ ہی روانہ ہوا۔بعد میں وہ بھڑائچ چلے گئے اور غلام کو گھر رخصت کیا۔قرب اور منزلت کہ اللہ کے محبوب کو اللہ سے ہے تحریر وتقریر سے باہر ہے مگر اسے جو اس نعمت سے بہرہ مند ہوا ہو اور یہ اس ہی کو پتہ ہے جو اس کا مزہ چکھتا ہے۔چنانچہ کسی بزرگ نے خوب کہا ہے

زمین و آسمان ہر دو شریفند
قلندر را در این ہر دو مکانست
نظر در دیدہ ناقص فتادہ
وگر نہ یار ما از کس نہان نیست

زمین وآسمان ہر دو شرف والے ہیں اور قلندر کا ان دونوں میں مکان ہے۔نظر، ناقص آنکھوں میں پڑی ہے ورنہ ہمارا یار کس سے پوشیدہ ہے۔

ایک دفعہ اس کتاب کی تصنیف کے دوران سلطان الشہداؒ کے نسب (1) کے بارے میں دل میں شبہ پڑا تو ایک رات خواب میں دیکھا کہ سلطان الشہداؒ

(1) شمیم احمد نے بھائی صاحب (مشمولہ: روایت، لاہور) میں لکھا ہے: "......ہم جو علیؓ کی اولاد ہیں، عرب اور ترکستان کی کتنی ہی مسافتیں طے کر محمود غزنوی کے ساتھ ہندوستان آئے تھے۔ہم سالار مسعود کے اہل خاندان ہیں وہ ہمارا چچا زاد ہے، ہم ہندوستان میں وارد ہوئے ہیں ....

سفید گھوڑے پر سوار بھڑائچ کی طرف سے آ رہے ہیں۔ جب قریب پہنچے تو فقیر کو کہا کہ ہم اپنے اجداد کی قبور کی زیارت کو جا رہے ہیں۔ تم بھی ساتھ چلو تا کہ

.........کھول گڑھ کے علاقے میں کھول سنگھ اور دیول سنگھ اور ہمارے جدا امجد حضرت شاہ نعمت اللہ کے درمیان 690ھ مطابق 1292ء کے قریب ایک زبردست اور خونریز جنگ ہوئی تھی جسمیں بھر قوم کو مکمل شکست نصیب ہوئی۔ کھول سنگھ اور دیول سنگھ مارے گئے اور خود شاہ نعمت اللہ کو بھی بھروں نے شہید کر دیا۔ ان کا مزار کھولی میں آج بھی موجود ہے اور اس پر سالانہ عرس ہوتا تھا۔ شاہ نعمت اللہ نے کھول گڑھ پر بارہ بنکی کے ایک اور علاقے ستر کھ سے آ کر حملہ کیا تھا۔'' (ص4، 6)

شمیم احمد مزید لکھتے ہیں:

''شاہ نعمت اللہ شہید کا سلسلہ نسب نویں پشت میں مشرقی یو پی کے مشہور فاتح سید مسعود غازی شہید کے دادا اسید محمد طاہر غازی سے اس طرح مل جاتا ہے۔ شاہ نعمت اللہ پسر سید فرحت اللہ پسر سید امین پسر سید وحید اللہ پسر سید کلیم اللہ پسر سید رفعت اللہ پسر شاہ نجابت اللہ پسر شاہ حیات اللہ پسر سید محمد طاہر غازی۔ سید محمد طاہر غازی کے دو فرزند تھے ایک سید عطا اللہ غازی دوسرے سید حیات اللہ غازی۔ سید شاہ عطااللہ غازی کے فرزند تھے سید محمود، جو محمود غزنویؒ کے سپہ سالار اور بہنوئی ساہو غازی کے نام سے تاریخ کی ایک اہم شخصیت ہیں اور انہیں کے فرزند مشرقی یو پی کے فاتح سید سالار مسعود غازی تھے جو غازی میاں کے نام سے اودھ کی جانی پہچانی شخصیت ہیں، سید محمود ساہو کے والد کے سگے بھائی سید حیات اللہ شاہ غازی تھے جو شاہ نعمت اللہ شہید کے جدا مجد تھے''

شمیم صاحب نے اپنا شجرۂ نسب کچھ یوں نقل کیا ہے: ''شمیم احمد ولد سید شرافت علی ولد سید عباس علی ہنر ولد سید مدد علی ولد سید معین الدین اشرف عرف خواجہ نظر دلؒ ولد سید محمد اشرف ولد سید محمد ماہ ولد سید رحمت اللہ عرف باراتی میاں ولد سید نعمت اللہ ولد خواجہ اللہ داد ولد سید امانت اللہ ولد سید شاہ نعمت اللہ شہید فاتح کھول گڑھ۔'' (ص8)

شمیم احمد 20 جون 1993ء کو وفات پا کر پاپوش نگر کراچی میں دفن ہوئے۔ وہ معروف نقاد اور شاعر سلیم احمد (27 نومبر 1927 - یکم ستمبر 1983ء) کے چھوٹے بھائی تھے۔ میری کوشش ہے ان کے خاندان سے رابطہ کر کے سید طاہر غازی سے اوپر کا شجرہ دریافت کیا جا سکے۔ اس مضمون سے دو نقاط اخذ کئے جا سکتے ہیں کہ سالار مسعودؒ غازی کا شجرۂ نسب حضرت محمد الاکبر معروف بہ محمد بن حنفیہ کے واسطے سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ملتا ہے دوسرا سالار ساہو کا اصل نام محمود ہے۔

ہمارے نسب کا شبہ دور ہو جائے۔آپ کے حکم کے مطابق فقیر رکاب کے نزدیک ہوا سالار سا ہو سے لے کر محمد حنفیہ تک فرداً فرداً فقیر کو زیارت کروائی اس کے بعد زیارتِ اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہ کی طرف متوجہ ہوئے اور خانہ کعبہ پہنچے۔تو دور سے دیکھا کہ جناب علی المرتضٰی کرم اللہ وجہ، فاختائی لباس پہنے کعبہ کے دروازے میں تکیہ لگا کر بیٹھے ہیں۔اسی درمیان دیکھا کہ دو آدمی سفید ریش اور سفید کپڑے پہنے دروازہ حرم کے نزدیک بیٹھے ہیں اور اعتراضاً کہتے ہیں کہ رسم پیری و مریدی معلوم نہیں کہاں سے پیدا ہوگئی ہے فقیر نے جواباً کہا کہ جب آیت ان الذین یبا یعونک انما یبا یعون اللّٰہ (اے محبوب ﷺ جو آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں) نازل ہوئی۔حضرت رسالت پناہ ﷺ تشریف لائے ظاہراً تم حاضر نہ تھے۔پھر حضرت اسد اللہ الغالب کرم اللہ وجہ، کی طرف اشارہ فرمایا کہ پیری مریدی کا طریقہ اس خلیفہ و جانشین حضرت رسالت پناہ ﷺ کے علاوہ بنالیا جائے تو مکروہ ہے مگر تم اس مرد کی خلافت کے منکر ہو، وہ دونوں بوڑھے اس جواب سے سرنگوں ہو گئے اور ساکت رہ گئے۔ اس کے بعد بندہ سلطان الشہداؓ سے ہٹ کر قدم بوسی امیر المومنین علی کرم اللہ وجہ کو گیا اور وہ گفتگو جو ان دو بوڑھوں کے ساتھ ہوئی تھی عرض گزاری۔حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہ، نے رضامندی میں سر ہلایا یعنی کہ (فرمایا) تم نے خوب کہا اس کے بعد اٹھے اور خانہ کعبہ کے درمیان جا کر نماز میں مشغول ہو گئے۔بندہ نے بھی ان کی اِقتدا کی۔اس وقت یوں معلوم ہوا کہ امیر المومنین علی المرتضٰی کرم اللہ وجہ، کی جگہ (مقام) خانہ کعبہ ہے۔اور ہمیشہ کعبہ کے دروازے میں بیٹھ کر اولیاء اور

مردانِ خدا اور روئے زمین کے سلاطین کو مقرر کرتے اور معزول فرماتے ہیں ہر حال میں اللہ کی تعریف (شکر) ہے کہ سلطان الشہداؒ کی توجہ سے یہ نعمت حاصل ہوئی اور حدیث مبارکہ کہ ''انا مدینۃ العلم و علی بابھا'' (میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کے دروازہ) کے معنی ظاہر ہوئے۔

ان کی (سالار مسعودؒ) پہلی کرامت جو مخلوق میں مشہور ہوئی یہ ہے کہ موضع نکرور کے ایک کوبانی یعنی گایوں والے کی عورت جس کو بانجھ قرار دے دیا گیا تھا اس کی ساس نے اسے طعنہ دیا کہ ہمارے گھر سے دور ہو جا میں اپنے بیٹے کی دوسری جگہ شادی کراؤں گی۔ بے اولاد عورت کی شکل دیکھنا بھی نجس ہے۔ وہ کوبان عورت (چرواہا)، غریب روتی ہوئی گھر سے روانہ ہوئی اور اتفاقاً آستانہ عالیہ حضرت سلطان الشہداؒ پر حاضر ہوئی ایک گھڑی اس کو قرار آیا تو خادمانِ درگاہ نے اسے غمزدہ پا کر تفصیل سے اس کا حال دریافت کیا اس نے تمام واقعہ بیان کیا تو خادمان نے کہا کہ حضرت سالار، اللہ کے ولی تھے اور اللہ کی محبت میں شہید ہوئے۔ تُو دل سے سچی نیت کر اللہ نے چاہا تو ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ تجھے اولادِ نرینہ عطا کریں گے۔ وہ عورت خوش ہوگئی۔ اس نے نیت کر لی اس کا شوہر بھی بیوی کی حفاظت کی خاطر اسی جگہ پہنچا ہوا تھا۔ حال سے واقف ہوا تو اس نے بھی نیت کی۔ شوہر، بیوی کے ہمراہ گھر چلے آئے۔ اسی رات حمل ٹھہر گیا نو ماہ بعد بیٹا پیدا ہوا۔ اس تاریخ سے وہ چرواہا اپنی بیوی اور قبیلہ کے ہمراہ پیر کی رات کو سلطان الشہداؒ کی زیارت کے لیے آنے لگے اور یہ کرامت ہر جگہ ظاہر کرنے لگے۔ ہر کوئی اپنی مشکل اور مہم میں آ کر نیت کرنے لگا تو حق تعالیٰ اسی دم وہ کام کر

دیتے۔(لوگوں کی) آمدورفت دن بدن زیادہ ہونے لگی تو اس محبوبِ خدا کی کرامات عروج پذیر ہوئیں اور خلقِ خدا اس بارانِ رحمت سے فیض یاب ہونے لگی۔اندھے برص والے، کوڑھی اور مختلف امراض میں مبتلا اس محبوب خدا کے در پر حاضر ہونے اور شفا حاصل کرنے لگے۔ یہاں تک کہ شہروں شہروں اور ملکوں ملکوں آپ کی کرامات کا شہرہ ہو گیا۔

الغرض نقل ہے کہ سید رکن الدین اور سید جمال الدین انہی دنوں میں ولایت سے آکر قصبہ رودولی میں بسنے لگے۔سید رکن الدین کے دو بیٹے تھے اور سید جمال الدین کی ایک بیٹی تھی جو حسن و جمال کا پیکر تھی مگر بینائی سے محروم۔اس کا نام زہرہ تھا۔وہ سیدزادے بیٹی کے اس حال سے غمزدہ رہتے تھے۔اچانک کچھ لوگ بھڑائچ سے آئے اور انہوں نے بیان کیا کہ حضور ہم نے چند اندھوں کو آستانہ سالار مسعودؒ پر بینا ہوتے دیکھا ہے۔سید جمال الدین یہ حکایت سن کر بہت خوش ہوئے اور نیت کی کہ اگر سلطان الشہداؒ کی برکت سے میری بیٹی کی آنکھیں بینا ہو جائیں تو ان حضرت (یعنی سلطان الشہداؒ) کا روضہ بناؤں گا۔ بعد میں یہ قصہ اپنی بیٹی کو بھی سنایا۔زہرہ نے بھی نیت کر لی کہ اگر مجھے بینائی مل گئی تو زندگی بھر سوائے آستانہ سلطان الشہداؒ کی جاروب کشی کے اور کوئی کام نہ کروں گی۔

الغرض سلطان الشہداؒ کے حالات، غائبانہ سن کر زہرہ کے دل میں اس محبوب کا عشق سما گیا اور ان کے ذکر کے علاوہ کوئی بات اسے اچھی نہ لگتی تھی۔ حدیث ہے کہ من احب قوما اکثر ذکرہ۔ (جو کسی سے محبت کرتا ہے اکثر اسی کا تذکرہ کرتا رہتا ہے) اور سلطان الشہداؒ کے نام کی تسبیح کرتی رہتی۔ دن بدن عشق کا غلبہ بڑھتا گیا۔

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد
بسا کین فتنہ از گفتار خیزد

(صرف دیدار سے ہی عشق نہیں ہوتا بلکہ اکثر یہ فتنہ گفتگو (ذکر) سے بھی اٹھتا ہے)

زہرہ اپنے وقت میں زلیخا سے فوقیت رکھتی تھی کہ اس نے جمال یوسفی کو خواب میں دیکھا تھا اور یہ سلطان الشہداؒ کا نام سن کر ہی عشق میں مبتلا ہوئی تھی۔ یہاں تک خورد و نوش بھی چھوٹ گیا اور دن رات مسعود مسعود پکارتی رہتی۔ ایک دن سلطان الشہداؒ تشریف لے آئے اور اس کے سامنے کھڑے ہو گئے فرمایا کہ زہرہ جس شخص کی تو مشتاق ہے وہ تیرے سامنے کھڑا ہے تو پھر کیوں نہیں دیکھتی۔ پس اس نے ہاتھ اٹھائے اور (بارگاہِ رب العزت میں) مناجات کی کہ یا اللہ اگر میں سالار مسعودؒ کے عشق میں پختہ ہوں تو میری آنکھوں کی بینائی عطا کر کہ محبوب کے جمال کا مشاہدہ کروں اور اگر نہیں تو اسی وقت مر جاؤں تا کہ فراق کی تکلیف سے رہائی ملے۔ پروردگار نے اس کے عشق کی پختگی کے سبب اسی وقت اس کو بینائی بخش دی تو پہلی چیز جو اس کی نظر میں آئی وہ جمالِ سلطان الشہداؒ تھا۔ ان کو دیکھ کر وہ دوڑی، سلطان الشہداؒ اس کو بینائی عطا کر کے اس کی نظر سے غائب ہو گئے۔ اور زہرہ بے ہوش ہو گئی۔ اور زار و قطار رونے لگی۔ سبحان اللہ۔ ماں باپ اور تمام عزیز اس کی بینائی پر خوش ہو گئے مگر وہ فراقِ محبوب میں جل کر کباب ہو گئی۔ جب بہت بیقرار ہوئی تو سلطان الشہداؒ خواب میں ملے اور فرمایا کہ بھڑائچ آ جاؤ۔ اس نے والدین سے زیارت کی اجازت چاہی اور کہا کہ آپ نے روضہ تعمیر کرنے کی نیت کی تھی اب تاخیر ٹھیک نہیں۔ سید رکن الدین اور سید جمال الدین اگرچہ خاصے دولت مند اور بادشاہ صورت تھے مگر انہیں باطنی معرفت

بھی حاصل تھی۔ اپنے عرفان سے بیٹی کا احوال جان لیا اور سید جمال الدین نے سید رکن الدین کے ایک فرزند اور اپنے ایک سالے (زہرہ کے ماموں) کے ہاتھ بہت سا مال دے کر زہرہ کو اجازت دی اور بھڑائچ روانہ کر دیا۔ جب زہرہ آستانہ عالیہ پر پہنچی تو سلطان الشہدؒ نے اسے باطنی تلقین فرمائی اور اس وقت سے اسے محبوب رب العالمین کی حضوری نصیب ہوگئی۔

گر عشق نبودی بخدا کس نرسیدی

رخسارہ معشوق بعاشق کہ نمودی

(اگر عشق نہ ہوتا تو کوئی بھی خدا تک نہ پہنچتا۔ معشوق کا چہرہ (پھر) عاشق کو کون دکھاتا)

اس کے بعد زہرہ نے روضہ کی تعمیر کے لیے اپنے کو وقف کر لیا۔ پہلے روضہ سلطان الشہدؒ اور سالار سیف الدین کو سیدھا کیا بعد میں وہ تمام شہدا جو سورج کنڈ میں چھپے تھے۔ ان کا ایک روضہ بنوایا۔ اور اس گنج شہیداں میں سلطان الشہدؒ کے بیشتر دوست اور مصاحب آسودہ خاک ہیں بعد میں اپنے لیے بھی ایک قبر بنوائی اور وصیت کی مجھے اس روضہ میں دفن کر دینا اور جو چچیرا بھائی اور ماموں، زہرہ کے ہمراہ آئے تھے چند روز آستانہ عالیہ کی خدمت میں رہے بعد میں انہیں توفیق ہوئی کہ ایک روضہ (عمارت) روضہ زہرا کے ساتھ تعمیر کیا اور دنیاوی کاروبار کو خیر باد کہہ کر اسی عمارت میں (عبادت/ذکر اذکار) مشغول ہو گئے۔ جب رحلت ہوئی تو حسب وصیت ہر دو کو اسی جگہ دفن کیا گیا۔ نیز جب زہرہ اٹھارہ سال کی ہوئی تو محبت محبوب الٰہی میں، اتوار چودہ رجب کہ ہندی طریقہ میں یکم جیٹھ تھا، مشاہدہ دوست میں جاں بحق ہوگئی۔ محبوب الٰہی کی ذات کے تصور میں عین اپنی صفت سے متصف ہوگئی تھی

تو حق تعالیٰ نے محبت محبوب میں خود محبّ محبوب کو بھی محبوب بنالیا۔

ہر چہ درین عالمست از اثر صحبت است

ورنہ کجا یافتی چوب بہای نبات

(جو کچھ اس جہان میں ہے وہ صحبت کے اثر سے ہے ورنہ ایک لکڑی کب گنے کی قیمت پاسکتی ہے)

اس زمانے میں ولایت (یعنی عرب وغیرہ) کے معمار ہندوستان نہ آئے تھے کہ گنبد روضہ پہلے طریقے (اسلامی طریقہ یعنی گنبد) پر بناتے اور ہند کے معمار یہ طریقہ نہ جانتے تھے۔ چونکہ زہرہ نے محض شوق وعشق سے روضہ تعمیر کرایا تھا۔ اس کی محبت کے سبب سلطان الشہدؒ نے اسی عمارت کو اب تک قبول کئے رکھا ہے۔ جب بھی کسی نے شایان شان تعمیر نو کی کوشش کی۔ انہیں سلطان الشہدؒ نے باطن میں منع فرما دیا آگے خدا کو معلوم ہے۔ البتہ اس فقیر کا غالب اعتقاد ہے کہ روضہ مبارک عالیشان تعمیر ہو گا، روضہ سلطان الشہدؒ کے درمیان قبلہ رخ ایک محراب ہے۔ اسی محراب کے نیچے سکندر دیوانہ کی قبر واقع ہے اور میر سید ابراہیم کی قبر بھی اس کے ساتھ (متصل) ہے مشرق کی طرف والے محراب کے نیچے، روضہ زہرا کے درمیان واقع ہے۔ الغرض دونوں پیار کرنے والوں کی قبریں، قبرِ سلطان الشہدؒ اور قبر زہرہ کے درمیان واقع ہیں۔ مگر زہرا کے ظہور کے غلبہ سے زائرین ان عزیزوں پر فاتحہ نہیں پڑھتے اور اس طرح ان عزیزاں کو تکلیف پہنچتی ہے (یعنی ان پر بھی فاتحہ پڑھنی چاہیے)۔

زہرہ کی وفات کے بعد اس کی والدہ دوسرے اقربا کے ساتھ ہر سال اس کا عرس منانے رودلی سے آتیں تھیں اور غلبہ محبت سے یہ کہتی تھی کہ میں زہرہ کی شادی کے

کارخیر کے لیے بھڑائچ جاتی ہوں کہ اسے سالار مسعودؒ کے ساتھ بیاہ دوں پس بھڑائچ میں آکر عرس، شادی کارخیر کرتیں۔ جتنے سال زندہ رہیں یہی عمل رہا۔ کیونکہ اپنی بیٹی کی محبت کے غلبہ سے یہ طریقہ اپنایا تھا اس لیے عشق ومحبت کے سبب اس زمانے تک ان کی سنت جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گی۔ ہاں فقیر کے اعتقاد میں یوں آتا ہے کہ یہ شادی (عُرس) سلطان الشہداؒ کے اس خواب کی تعبیر ہے جو انہوں نے اپنی حیات کے آخری دنوں میں دیکھا تھا کہ ان کے والدین ان کو شادی کے کارخیر کے لیے بلا رہے تھے۔ یقیناً شہیدوں کی شادی حورانِ بہشت سے ہوتی ہے۔ چونکہ باطن میں شہدا خوشی اور ذوق میں ہوتے ہیں اس لیے اس کا پرتو عالم ظاہر پر بھی پڑتا ہے۔ یہاں بھی وہی حالت ظہور پذیر ہوتی ہے۔ یہ ظاہری عالم، عالم باطن کا پرتو ہی ہے اس لیے جو باطن میں ہے وہی ظاہر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ ھو الظاہر ھو الباطن وھو بکل شیء علیم۔ (وہی ظاہر ہے، وہی باطن اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے) اے دوست یہ تمام رنگ اور کرشمے عشق (کے) ہیں۔

بر نقش خود است فتنہ نقاش
کس نیست درمیان تو خوش باش

اس قسم کی چیزوں کو بدعت خیال کرنا محض حماقت اور جہالت ہے۔ حضرت شیخ شرف الدین منیری لکھتے ہیں کہ علماء ظاہر اپنے علم کی کمی کے باعث عارفوں کے کاموں پر اعتراض کرتے ہیں۔ وہ نہیں جانتے اور (معترض ہوکر) اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ سلطان الشہداؒ کے ظہور کے عروج میں انبوہ کثیر میں لوگ نیزے اور نشان (جھنڈے) رنگ برنگ کے لیے ہوئے رقص کرتے ہوئے

بنارس کی طرف سے آ رہے تھے جب وہ جونپور میں پہنچے تو وہاں کے لوگ بھی ہزاروں کی تعداد میں نیزے جھنڈے اور نشان لے کر شامل ہوئے تو شہر میں شور مچ گیا۔ ایک مولوی دانشمند، علم ظاہری کے پڑھانے میں مشغول تھا اتفاقاً ان لوگوں کا نیزوں اور جھنڈوں کے ساتھ اس کوچہ سے گذر ہوا وہ غلبہ عشق سے ناچتے گاتے جا رہے تھے۔ (مولوی نے) پوچھا کہ کیسا شور ہے تو اس کو بتایا گیا کہ لوگ جھنڈے اٹھائے سالار مسعودؒ کی زیارت کے لیے جا رہے ہیں۔ مولوی نے کہا کہ یہ بدعت کی قسم ہے۔ لاؤ ان لوگوں پر تعزیر لگاؤں۔ شاگرد با جماعت اٹھ دوڑے جب نزدیک پہنچے اور ہاتھ ڈالنے لگے اور اس دانشمند کے منہ پر ایک ایسا طمانچہ پڑا کہ زمین پر گر پڑا اور مر گیا۔ شاگرد اس کو اٹھا کر گھر لائے۔ شہر کے لوگ یہ واقعہ سن کر جمع ہو گئے اور تمام لوگوں نے دیکھا کہ ملا کا منہ کالا ہو گیا ہے۔ اس دن سے بیشتر ناعاقبت اندیش، سلطان الشہداؒ کی ولایت پر ایمان لے آئے اور کہتے تھے کہ (گستاخ کی) سزا اس دنیا میں یہی تھی اور اس کا رو سیاہ ہونا اس بات پر دلیل ہے۔ حق تو یہ ہے کہ اللہ کے ولی اپنی ہستی کی نفی کر کے صفت حق سے موصوف ہو جاتے ہیں۔ ان کے قول و فعل عین اللہ کے افعال و اقوال ہو جاتے ہیں۔ ایسے حال میں کوئی اس طائفہ کے احوال کی مزاحت کرے تو اس کی سزا یہی ہے کہ دنیا و آخرت میں وہ سیاہ ہو جائے چنانچہ ایک بزرگ نے کہا ہے

پروانہ ازان سوخت کہ باشمع در افتاد

باسوختگان ہر کہ در افتاد بر افتاد

(پروانہ تو شمع میں جا پڑنے سے جل گیا۔ (کیونکہ) جو جلتے ہوؤں میں جا پڑتا ہے وہ اُٹھ پڑتا ہے)

اسی طرح نقل کرتے ہیں کہ فیروز شاہ بادشاہ کی والدہ دلی میں چھت پر کھڑی تھی اتفاقاً لوگوں کا انبوہِ کثیر رنگ برنگ کے نیزے اور نشانات لیے ذوق وشوق میں رقص کرتے اور گاتے بجاتے زیارتِ سلطان الشہدا کے لیے جارہے تھے یہ واقعہ بادشاہ کی والدہ نے دیکھا اور حیران ہوگئی کہ ایسا صاحب تصرف ولی کون ہے؟ حاضرین نے سلطان الشہدا کے احوال بتائے۔ ان دنوں سلطان فیروز شاہ ٹھٹھہ پر فوج کش تھا۔ سلطان کی والدہ نے نیت کی کہ اگر میرا بیٹا ٹھٹھہ کو فتح کر کے صحت وسلامتی سے دہلی واپس آئے تو اسے زیارت سلطان الشہدا کے لیے بھڑائچ روانہ کروں گی۔ سلطان مذکور کو ٹھٹھہ میں برا وقت آ گیا (یعنی شکست کے آثار) تو حق تعالیٰ نے سلطان الشہدا کے تصرف سے اسے فتح نصیب کی اور وہ سلامتی سے دہلی پہنچ گیا۔ اپنے عہد کو پورا کرتے ہوئے ماں نے سلطان فیروز کو بھڑائچ بھیج دیا۔ جب سلطان بھڑائچ کے قریب پہنچا تو کچھ گھٹیا لوگوں نے کہا کہ انہوں نے سنا ہے کہ سالار مسعود غازی کی قبر کسی اور جگہ ہے اور یہ روضہ جس کی لوگ زیارت کرتے ہیں یہ اللہ کے محبوب کی قبر نہیں ہے۔ اس بات نے سلطان کے دل کو شک میں ڈال دیا کہ کس طرح ان کی زیارت کی جاسکتی ہے۔ اس نے پوچھ گچھ کی کہ وہاں کوئی درویش کامل ہو جس کی ہمراہی میں زیارت کروں کیونکہ صاحب کشف سے قبروں میں رہنے والے پوشیدہ نہیں ہوتے۔ اس زمانہ میں ایک کامل بزرگ حضرت میر سید امیر ماہؒ حیات تھے ان کے خوارق اور کرامات عوام الناس پر دن بدن بارش کی طرح برس رہے تھے۔ سلطان کو ان کی بزرگی کا بتایا گیا اسے شدید خواہش ہوئی اور وہ حضرت میر سے ملنے گیا۔ ملاقات پر اس نے کہا میں سلطان الشہدا کی زیارت کے لیے حاضر ہوا ہوں مجھے لوگوں نے ان کے بارے میں کچھ

اور ہی بتایا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ کے ہمراہ حاضر دربار ہوں تا کہ زیارت سے مستفید ہوں کیونکہ آپ سے صاحب قبر پوشیدہ نہیں۔

حضرت میر سید ماہ نور اللہ مرقدہ نے فرمایا کہ اس روضہ سے فلاں وقت فلاں تاریخ کو سلطان الشہد نکل کر تمہاری امداد کے لیے اٹھ گئے تھے۔ جب تم فتح یاب ہو گئے تو میں نے دیکھا کہ وہ (سلطان الشہدؒ) اس روضہ میں واپس آ گئے۔ سلطان نے واقعات کی یادداشتیں دیکھیں تو اسے معلوم ہوا کہ وہی دن وہی تاریخ تھی پس سلطان کو ان کی مافوق الفطرت، رفعت اور طاقت پر یقین آ گیا اور ہر دو بزرگوں کا اعتقاد پکا ہو گیا۔ آستانہ سلطان الشہدؒ پر پہنچے تمام لشکر کے لوگ زیارت کے لیے گئے تھے۔ لوگ کثیر تھے۔ میر سید امیر ماہ قدس سرۃ اور سلطان فیروز دروازے پر کھڑے تھے۔ جب عوام/لشکر زیارت سے فارغ ہوئے اس وقت وہ زیارت سے مشرف ہوئے۔ تو سلطان، حضرت امیر ماہ قدس سرۃ کی طرف متوجہ ہوا اور درخواست کی کہ سلطان الشہدؒ کی کوئی کرامت ظاہر فرمایئے۔ کیونکہ آپ کو دو جہاں کا عرفان حاصل تھا فوراً جواب دیا کہ اس سے زیادہ نہ طلب کریں کیا یہ کم ہے کہ آپ جیسا سلطان اور مجھ سا فقیر دونوں در اقدس پر حاضر ہیں۔ سلطان بھی ایسی بات کا ذوق رکھتا تھا خوش ہوا۔

شمس سراج سلطان فیروز کا واقع نویس اس طرح بیان کرتا ہے کہ فیروز شاہ اللہ کی عنایت سے حضرت شیخ علاؤالدین نواسہ شیخ اسلام شیخ فرید الدین مسعودؒ اجودھنی قدس سرۃ العزیز سے ارادت رکھتا تھا۔ فقرا کی خدمت کا شوق تھا اس طرح وہ 774ھ میں بغرض ارادت و بندگی سپہ سالار مسعود غازیؒ کے حاضر ہوا کچھ عرصہ وہاں قیام کیا۔ اتفاقاً ایک رات سپہ سالار مسعود غازیؒ نے سلطان فیروز کو خواب

میں زیارت سے مشرف کیا اور سلطان کے دیکھنے پر اس کے چہرہ مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ اشارہ دیا کہ بڑھاپا آ گیا ہے اور آخرت کے لیے بھی کوشش کرنی چاہیے۔ اس ہدایت پر عمل کرتے ہوئے سلطان نے مرقد سپہ سالار مسعودؒ غازی کے پائنتی اپنا سر منڈا کر گروہ صوفیہ میں شامل ہوا۔ اس دن شاہ فیروز کی محبت میں بہت سارے خوانین اور امرائے مملکت نے بھی سر منڈائے۔ ہاں محبت کے قصہ میں بڑے عجیب اسرار ہیں۔

مرا زندہ پندار چون خوشتن

من آیم بجان گر تو آئی بستن

(مجھے اپنی طرح زندہ ہی خیال کرو کہ تم اگر تن میں آئے تو میں جان میں آتا ہوں)

منتخب التاریخ میں لکھا ہے کہ اس کے بعد سلطان دہلی گیا اور اپنے نواسے کو ولی عہد کر کے تخت پر بٹھایا اور خود گوشہ نشینی اختیار کی اور باقی عمر یاد خدا میں صرف کی۔

حضرت میر سید اشرف جہانگیر قدس سرہٗ اپنے مکتوب نمبر 32 میں لکھتے ہیں کہ سادات بھڑائچ نہایت مشہور النسب ہیں میں نے سید امیر ماہؒ کو دیکھا ہے۔ تقویٰ میں بے نظیر تھے۔ مزار مبارک شہید مسعود غازی میں روحانیہ مسعودیہ کے طواف میں حضرت خضرؑ اور سید میر ماہؒ اور یہ درویش (سید اشرف جہانگیرؒ) ایک ہی مجلس میں تھے۔ اکثر حالات شیخیت اور مقاماتِ شیوخی، حضرت خضرؑ سے پوچھے اس وقت خضرؑ کے دانت ساتویں بار تجدید ہوئے تھے سبحان اللہ عجب ملاقات ہوئی تھی۔ کمالات سلطان الشہداؒ کا اس حکایت سے تصور کرنا چاہیے۔

حضرت میر سید علی قوام قدس سرہٗ کے ملفوظ میں لکھا ہے کہ حضرت میر نے اپنے خلیفہ جیسے شاہ موسیٰ کو یہ وصیت فرمائی کہ برائے حصول قربت اللہ اپنی توجہ

سالار مسعودؒ کی روحانیت کی طرف کریں کیونکہ وہ روحِ پاک، سورج کی طرح عارفوں پر چمکتی ہے اور یہ قوم (عارف) ان سے فیض حاصل کرتی ہے۔ کسی ایک کو ایک حرف ہی کافی ہوتا ہے۔ (یعنی سمجھدار کے لیے اشارہ کافی ہے)

شیخ مرتضیٰ نواسہ خواجہ مصلح الدین، ملفوظات میر سلطان قدس سرہٗ میں لکھتے ہیں کہ میر سید سلطان نے بارہ سال دہلی میں، حوض شمسی کے نزدیک ایک کہنہ (پرانی) قبر جو اندر سے خالی تھی مین گزارے (چلہ کش رہے) بارہ سال بعد باہر نکل کر بیٹھے تھے دیکھا کہ ایک مریض جا رہا ہے۔ اچانک ایک نیلے گھوڑے پر سوار شخص ظاہر ہو کر اس مریض کو چابک سے مارتا ہے اور میر سید سلطان کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے درویش! میر نے کچھ نہ کہا چند اور چابک مریض کو رسید کیے۔ مریض زمین پر گر کر تڑپتا اور لوٹتا ہے اس سے اس کا (بیمار) چہرہ اتر جاتا ہے۔ یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ وہ مریض تندرست ہو گیا۔ کہا کہ چلے جاؤ۔ جب مریض روانہ ہو گیا تو میر مذکور کو پھر خطاب کیا۔ تیسری مرتبہ کہا کہ ''اے قطب جہانگیر'' تب سے وہ اس لقب سے ملقب ہوئے (حالانکہ) عالم شہادت (دنیا) میں کسی نے ان کو اس نام سے نہ پکارا تھا۔ میر مذکور نے اس سوار کی طرف دیکھا اور کہا کہ آپ کون ہیں؟ فرمایا کہ ہر کسی کی دیگ میں نمک ولائیت میرے ہاتھ سے پہنچتا ہے۔ میرا نام مسعودؒ اور مقام بھڑائچ ہے۔ یہ ملاقات خیال (گمان) میں واقع ہوئی۔

شیخ ضیا برنی اپنی تصنیف تواریخ فیروز شاہی میں لکھتے ہیں کہ سلطان محمد شاہ تغلق نے جب عین الملک کے فتنہ سے نجات پائی۔ تو بانگر ماؤ سے بھڑائچ کی طرف روانہ ہوا۔ اور سپہ سالار مسعودؒ غازی کہ غزوات سلطان محمود سبکتگینؒ کے تسلسل میں تھے، کی زیارت کی۔ اور روضہ کے مجاوران کو کافی صدقات پیش کر کے بھڑائچ میں احمد ایاز کو

لکھنوتی کی مہم کے لیے نامزد کیا۔ خود مملکت کے دوسرے امور کی طرف متوجہ ہو گیا الغرض اکثر سلاطین دہلی، سلطان الشہدؒ کی زیارت کو حاضر ہوتے رہے اور فیض ظاہری و باطنی (اپنی استطاعت کے مطابق) حاصل کرتے رہے۔ حضرت شیخ محمد فیاض نے یہ بیان کیا ہے کہ قطب الوقت حضرت راجی سید نور مانکپوریؒ کی اولاد نہ تھی۔ ان کی زوجہ نے نیت کی کہ اگر حق تعالیٰ فرزند عطا کرے تو میں اپنے فرزند کے ہمراہ بھڑائچ سلطان الشہدؒ کی زیارت کو جاؤں گی۔ سلطان الشہدؒ کی باطنی امداد سے مبارک نام کا ایک فرزند عطا ہوا تو راجی سید نور مانکپوریؒ کو مستورات کا بھیجنا مشکل ہو گیا۔ ایک رات اپنے حجرہ میں مشغول (یادِ حق میں) تھے کہ سلطان الشہدؒ سفید گھوڑے پر سوار تشریف لائے۔ گھوڑے سے اتر کر سید راجی نور کے سامنے بیٹھ گئے اور فرمایا کہ اپنے بیٹے کو پیش کریں اس کی ضرورت نہیں کہ آپ مع فرزند (اہلخانہ) بھڑائچ میں آئیں پس راجی سید نور اٹھے اور اپنے فرزند سید مبارک کو لے آئے اور سلطان الشہدؒ کے پاؤں میں ڈال دیا۔ سلطان الشہدؒ نے ان پر بہت مہربانی فرمائی اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک شخص ننگے سر، ننگے پاؤں، سلطان الشہدؒ کے گھوڑے کو پکڑے کھڑا تھا۔ راجی سید نور نے اس مرد کو دیکھ کر سوال کیا کہ یہ کون ہے؟ فرمایا کہ یہ سکندر دیوانہ ہے سبحان اللہ! کیونکہ سکندر دیوانہ نے محبت سلطان الشہدؒ میں جان دی تھی۔ اب بھی ان کی حضوری اور خدمت اور قرب رکھتا ہے۔

الغرض خوارق، کمالاتِ ولایت سلطان الشہدؒ تحریر میں نہیں آسکتے جتنا بھی کوئی لکھے یا بیان کرے اس سے بھی زیادہ ہیں۔ چند کرامات کا ذکر کیا ہے اگر مزید لکھے جائیں تو (کتاب) طویل ہو جائے اہل بصیرت کے لیے ایک اشارہ ہی کافی ہے کہ وہ محبوب الٰہی تھے اور سلطان الشہدؒ کی محبوبیت کی دلیلیں سورج سے

زیادہ روشن ہیں۔ اٹھارہ ہزار عالم ذوق اور خوشی سے پروانہ وار آپ کے آستانہ پر خود کو قربان کرتے ہیں اور یہ شوق حضوری ہر کسی کے چہرہ پر نظر آتا ہے۔

جس کسی کو اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے۔ خلائق کو بھی اس میں مبتلا کر دیتا ہے۔ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری سے کسی مرید نے پوچھا کہ یہ کیا رسم ہے کہ ہر ملک ہر شہر میں سلطان الشہدؒ کی قبر بنا دی جاتی ہے۔ حضرت شیخ قدس سرۃ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ سے سالار مسعودؒ کو کمال کا تصرف عطا فرمایا ہے کہ اگر تمام دنیا کے لوگ اپنے گھروں میں ان کی قبر بنا لیں تو اپنی ولایت کے تصرف سے ہر جگہ موجود ہوں گے اور فیض پہنچائیں گے۔ مختصر یہ کہ اس طرح کے کمالات، کسی محبوب الٰہی کے بغیر ممکن نہیں۔ سلطان الشہدؒ نے کمال شوق میں عین مشاہدہ پروردگار عالم میں اپنی جان دی۔ اسی لیے ہر روز نئی نئی کرامات، تازہ ظہور، تازہ ذوق و تازہ حسن و تازہ عشق، تازہ درد، تازہ ساز، تازہ سوز اس محبوب رب العالمین کے آستانہ عالیہ پر (جو کہ قلوب کی راحت ہے) متجلی ہوتے ہیں۔

ز سر تا، ناخن پایت سراسر نازمی بینم
کجا حد است حسنت را ہنوز آغاز می بینم

سر سے لیکر پاؤں کے ناخن تک سراسر ناز ہی نظر آتا ہے۔ تیرے حسن کی کوئی حد نہیں ابھی تو صرف آغاز ہی دیکھ رہا ہوں۔

ختم شد:

نسخہ مراۃ المسعودی 22 جمادی الاول 1074ھ

کاتب۔۔۔ مالک محمد اویس بن شیخ لقمان خادم

قصبہ خطیرہ بھڑائچ (جو کوئی دوسرا دعویٰ کرے باطل ہے)

کتابیات

مخطوطات

چشتی ،شیخ عبدالرحمان، مرأة الاسرار، خطی، فوٹو کاپی، مملوکہ، زبیراحمد گلزاری،
اسلام آباد

-، مرأۃِ مسعودی، فوٹو کاپی، مملوکہ، زبیراحمد گلزاری، اسلام آباد

مطبوعات

چشتی، شیخ عبدالرحمان، تاریخ سید سالا مسعود غازیؒ

-اردو ترجمہ-مرأۃِ مسعودی، لکھنؤ، اردو ترجمہ ،سید عنایت حسین بلگرامی، مطبع مجتبائی،
۱۳۵۰ھ/۱۹۳۹ء

چشتی ،شیخ عبدالرحمان، مرأة الاسرار، اردو ترجمہ، مولانا کپتان واحد بخش سیال
چشتی صابری، لاہور، الفیصل ناشران کتب، جولائی ۲۰۰۶ء

-، مرأۃِ مسعودی [مع] ضمیمہ-تاریخ صالحینِ بھڑائچ، مرتبہ، مولانا محمد صدیق
حسن قادری بھڑایچی، بھڑائچ، المرکز الاسلامی دارالفکر، نومبر ۱۹۹۲ء، دوم

- ، مرأۃِ مسعودی، ترجمہ وترتیب، خواجہ اکبر میرٹھی وارثی، لکھنؤ،
ہلال بک ڈپو، سن

حسرت موہانی، کلیاتِ حسرت، لاہور، خزینۂ علم وادب، نومبر ۲۰۰۴ء

سہ ماہی روایت، لاہور، جلد ا: شمارہ ۳، ربیع الاول ۱۴۱۰ھ/اکتوبر ۱۹۸۹ء

سیالوی، حافظ محمد ریاض، تاریخ قطب شاہی اعوان، گوجراں والا، مؤلف خود

گدڑی شاہی، محمد خادم حسن زبیری، معین الارواح، جھالرہ، معینی گدڑی شاہی کمیٹی، ۱۹۵۳ء، اول

گلزاری، زبیر احمد، خواجہ عبدالحلیم چشتی مسعودی (مدنی انصاری)، اسلام آباد، مؤلف خود، ۲۰۱۰ء

Elliiot, sir, H.H,THE HISTORY OF INDIA AS TOLD BY ITS OWN HISTORIANS, Delhi, Low price publications, 2001, vol:2

Ravertm,Major Henry george, **NOTES ON AFGHANISTAN BALUCHISTAN**, Queta Nisa traders,1982,2nd,vol:2

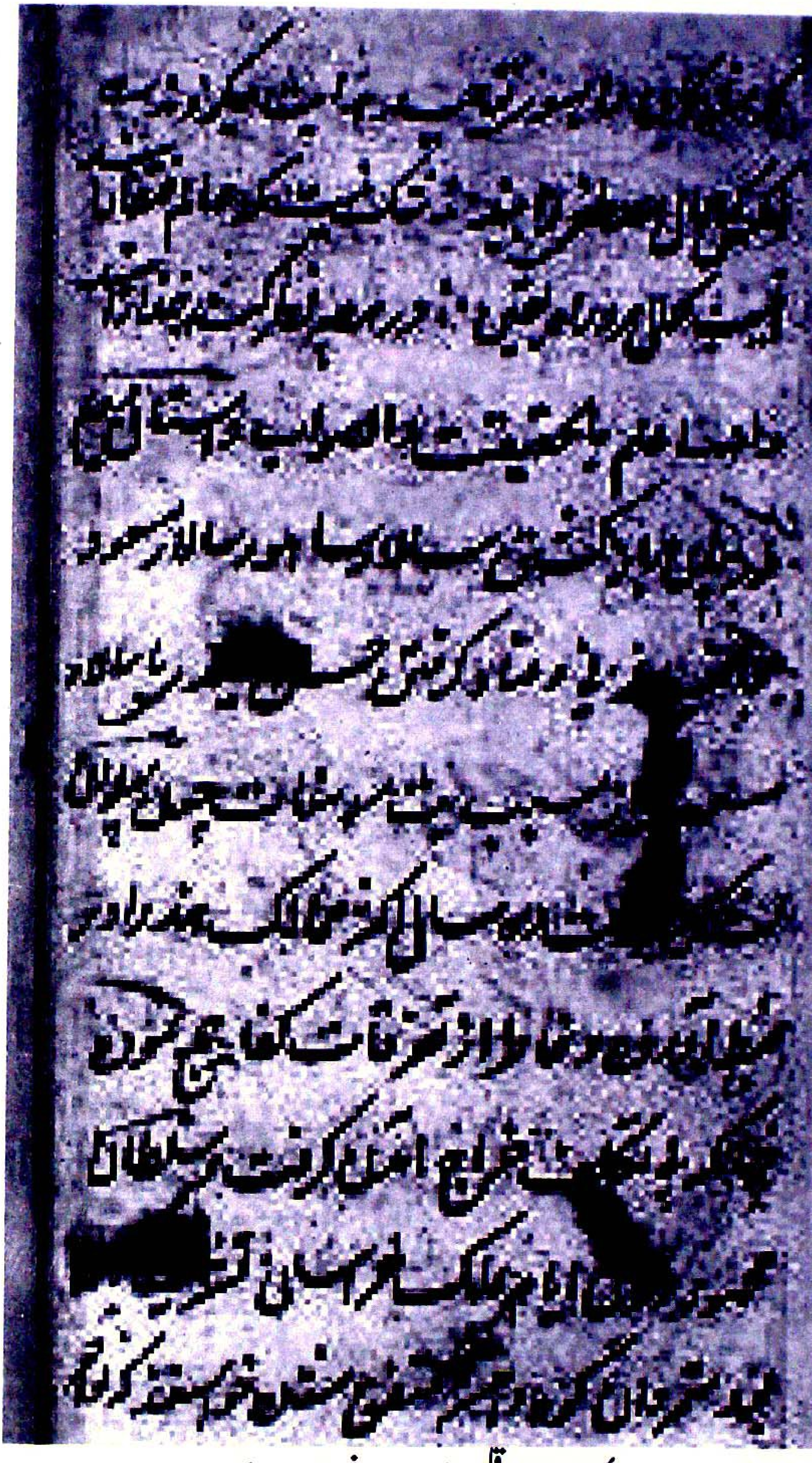

مرآۃِ مسعودی، قلمی (موسوم بہ نسخہ جھوجھہ)

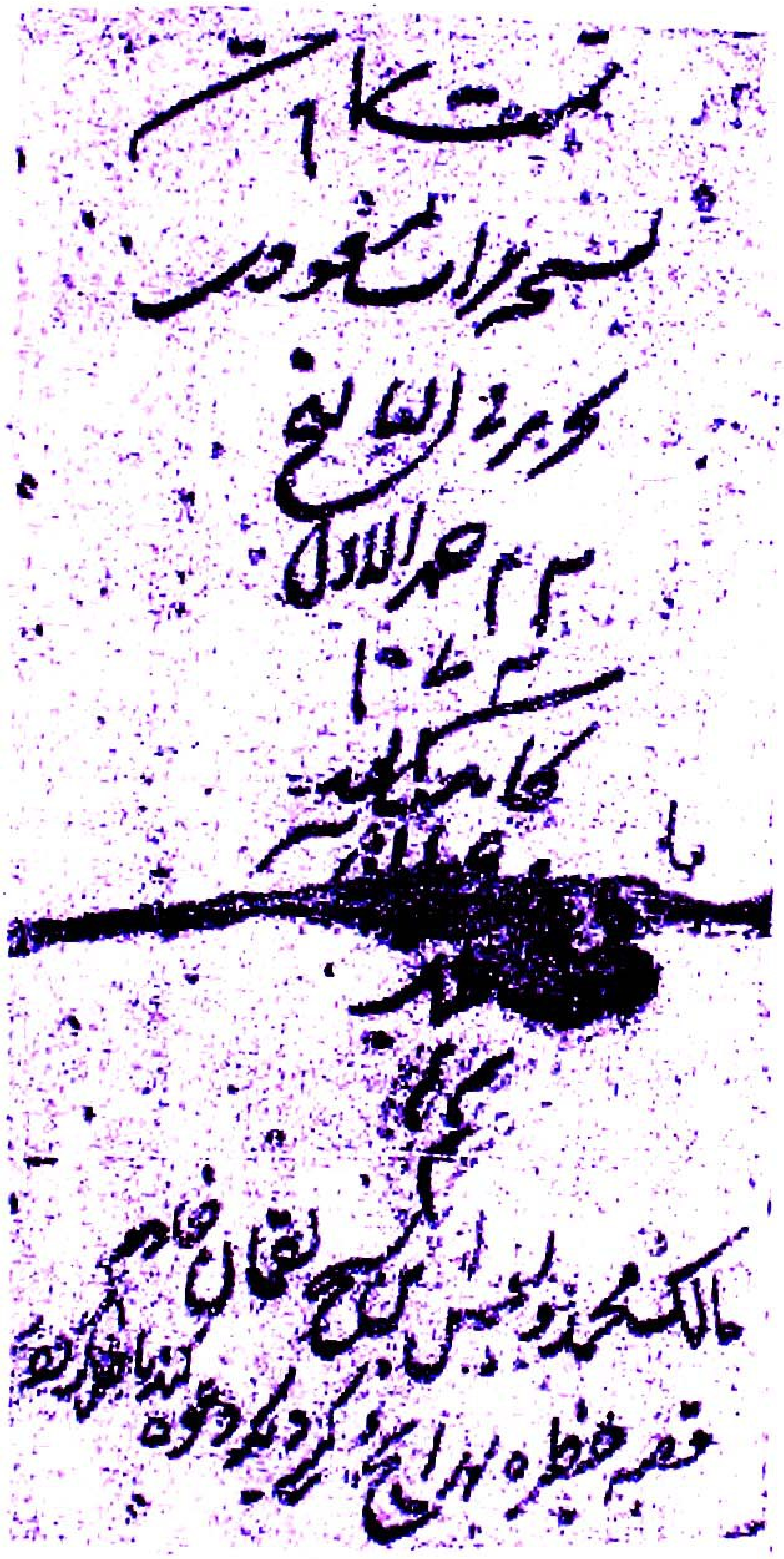

مراٰۃِ مسعودی، قلمی

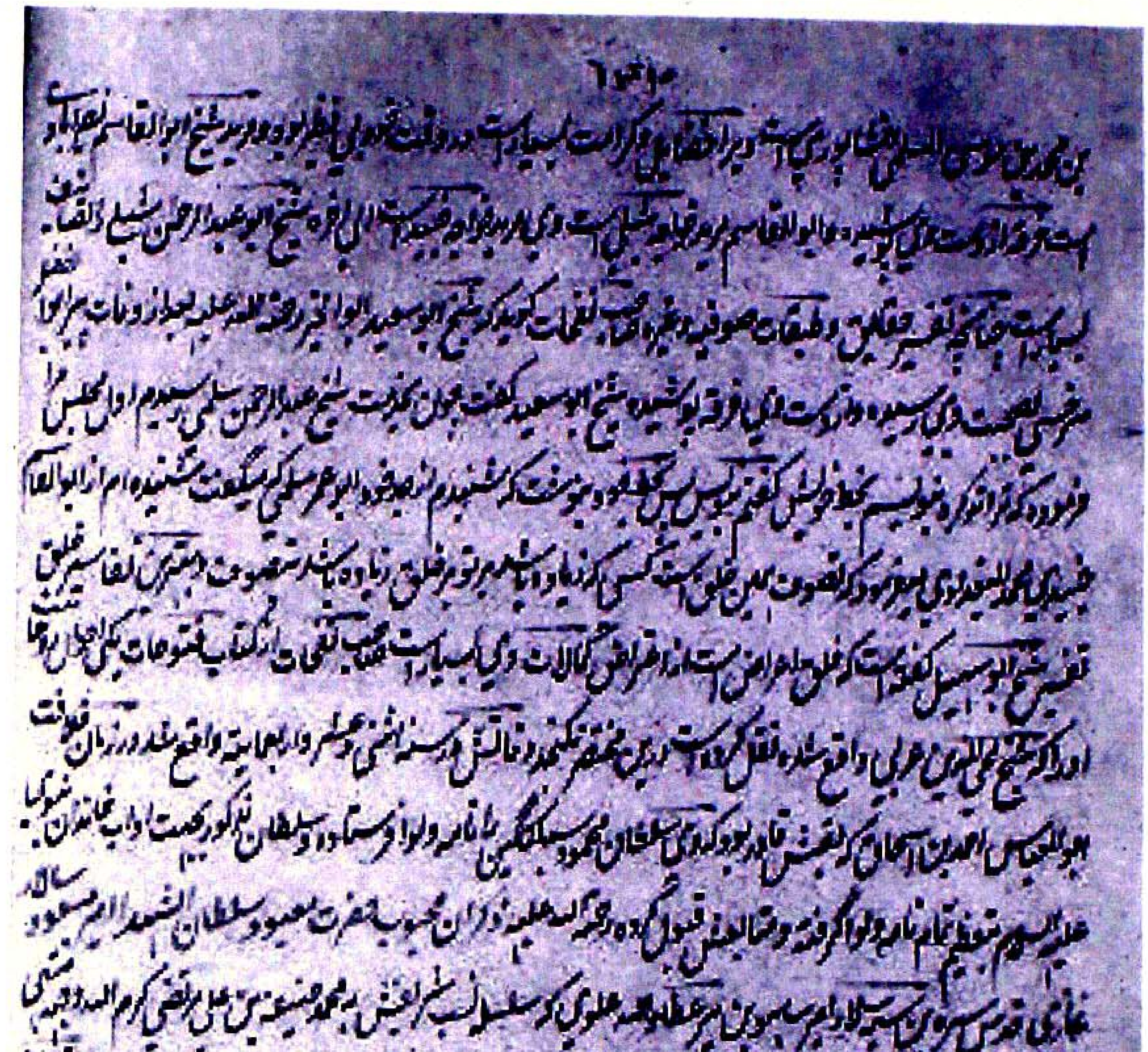

مرآۃ الاسرار، قلمی

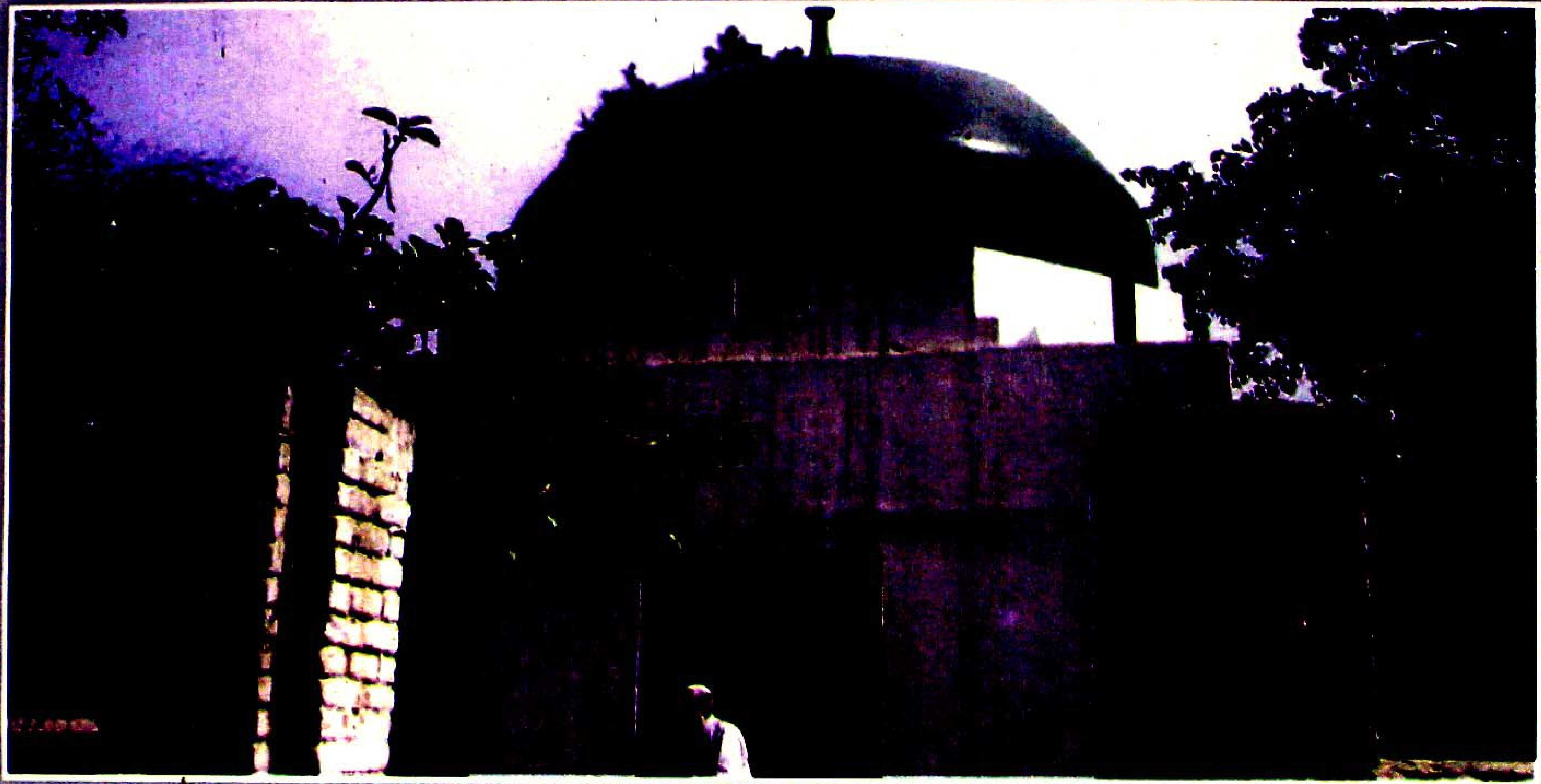

دربار عالیہ بابا حلیم چشتی مسعودی مدنی انصاری ۔ مقام پھلرون وزیر کے۔ ملحقہ جھجھ کلاں۔ تحصیل دیپالپور۔ ضلع اوکاڑہ

یادگار بارہ شہیداں (جھجھ برادری)۔ مقام بھائی کے لال چند نزد جھجھ کلاں۔ تحصیل دیپالپور۔ ضلع اوکاڑہ

Zubair Ahmad Gulzari,59,responds to the applouding audience on eve of receiving MBA degree at the Convention Center, Islamabad, on 7th November, 2007 (0300-8549927)

مراٰۃِ مسعودی، شیخ عبدالرحمٰن چشتی علوی [۱۰۰۵ھ تا ۱۰۹۴ء] کی فارسی تصنیف لطیف ہے جس میں انھوں نے سالار مسعود غازی شہید [م: ۴۲۴ھ] کی داستانِ حیات کو دل کش اسلوب اور عمدہ پیرائے میں بیان کیا ہے۔ یہ کتاب مصنف کی دوسری کتابوں بالخصوص مراٰۃ الاسرار کی طرح مقبولِ خلائق رہی ہے۔ مختلف کتب خانوں میں اس کے خطی نسخوں کی موجودگی اور اس کی اہمیت اور مقبولیت کی عکاس ہے۔ اس کتاب کے متعدد تراجم ہوئے تاہم اکثر مترجمین نے مراٰۃِ مسعودی کا معتبر اور مستند متن پیشِ نظر نہیں رکھا جس کی وجہ سے ان تراجم میں بعض مقامات پر ایسے اجزا بھی شامل ہو گئے ہیں جو اصل کتاب میں نہیں ملتے اسی طرح بعض مقامات پر کچھ حصے حذف ہو گئے، جس سے اصل متن مجروح ہوا۔ تراجم میں اس کمی اور بیشی کے باعث مابعد کی اکثر کتب میں غلط فہمیوں کو رواج ملا اور بعض حقائق کی صورت مسخ ہوئی۔ جناب زبیر احمد گلزاری گزشتہ کئی دہائیوں سے اپنی قوم ''جھوجھہ'' کی مستند اور مفصل تاریخ لکھنے میں مصروف ہیں۔ جھوجھہ قوم کے افراد چونکہ سالار مسعود غازی شہید کے لشکر کے ساتھ واردِ ہند ہوئے تھے، اس لیے سالار مسعود کے حالاتِ حیات سے گلزاری صاحب کو دلچسپی رہی ہے۔ اسی دلچسپی کے باعث انھیں مراٰۃِ مسعودی کے تراجم کے باہمی اختلافات اور اضافات کا علم ہوا۔ انھوں نے سعیِ بسیار کے بعد مراٰۃِ مسعودی کا ایک نجیب الطرفین، خوانا اور دیدہ زیب خطی نسخہ ڈھونڈ نکالا، جو مصنف کے حینِ حیات یعنی ۱۰۷۴ھ میں رقم ہوا۔ اس نسخے کی دستیابی کے بعد گلزاری صاحب نے اپنے اصل کام کو کچھ وقت کے لیے موقوف کیا اور مراٰۃِ مسعودی کے مستند متن کا اردو ترجمہ کر ڈالا۔ انھوں نے مختلف تراجم کے اختلافات، اضافات اور محذوفات پر مشتمل حواشی لکھ کر ایک اہم تحقیقی کارنامہ انجام دیا ہے۔ ابتدا میں انھوں نے کتاب اور صاحبِ کتاب کے اجمالی تعارف کے ساتھ ساتھ مراٰۃِ مسعودی کے تراجم کے اختلافات و محذوفات اور مراٰۃِ مسعودی کے مختلف کتب خانوں میں موجود خطی نسخوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ گلزاری صاحب کا یہ کام ان کے جذب و شوق کا آئینہ دار اور ان کی علمی لگن کا نقشِ معتبر ہے۔ اُمید ہے کہ مراٰۃِ مسعودی کا زیرِ نظر ترجمہ ان غلط فہمیوں کو ختم کرنے کا موجب ٹھہرے گا، جنھیں اب تک درجۂ اسناد حاصل رہا ہے۔ میری خواہش ہے کہ گلزاری صاحب مراٰۃِ مسعودی کا اصل متن بھی شائع کرنے کا اہتمام کریں تا کہ یہ یوسف بھی بے کارواں نہ رہے۔

1344

(ڈاکٹر ا...

شعبۂ اُردو

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد